

جدید طبعی مسائل

کا

شرعی حل



کتاب خانہ طیب | Facebook

مصنف

مفتی صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر الازہری

جدید طبی مسائل کا شرعی حل

مصنوعی اعضاء، جانوروں کے اعضاء، انسانی اعضاء کی پیوند کاری
انتقال خون، پوسٹ مارٹم، روزہ میں انجکشن، الکحل والی دواؤں کے
احکامات شریعت کی روشنی میں

○ مصنف ○

مفتی صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر الازہری

اسلامی کتب خانہ

اقبال ڈسٹریبیوٹرز

جماعت اہل سنت پاکستان

جامع مسجد مائی خیری فقیر کا پڑ حیدر آباد

نام کتاب	-----	جدید طبی مسائل کا شرعی حل
مصنف	-----	صاحبزادہ ڈاکٹر ابو الخیر محمد زبیر
زیر اہتمام	-----	قاری عبدالعزیز، ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت
کمپیوٹر کمپوزنگ	-----	یاسر کمپیوٹرز، ۵۷/۳، رابعہ اسکوائر حیدر آباد
اشاعت	-----	اول
سن اشاعت	-----	۱۹۹۶ء / ۱۴۱۶ھ
تعداد	-----	ایک ہزار
سائز	-----	۲۳x۳۶=۱۶
صفحات	-----	۸۸
ناشر	-----	جماعت اہل سنت پاکستان حیدر آباد
ہدیہ	-----	
طالع	-----	ر۔ ٹل پرنٹرز، کراچی فون نمبر : 2620444

ملنے کا پتہ

- ۱۔ جماعت اہل سنت، جامع مسجد نور، ریشم بازار حیدر آباد
- ۲۔ رکن الاسلام جامعہ مجددیہ آزاد میدان ہیر آباد حیدر آباد۔
- ۳۔ اسلامیہ کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ
- ۴۔ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
- ۵۔ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی
- ۶۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی

اختساب

ملک المدرسین، فخر المناطقہ، فقیہ العصر، جامع معقول و منقول، واقف فروع و اصول،
عالم نبیل، فاضل جلیل استازی و استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا حافظ عطا محمد صاحب
ہندیا لوی چشتی گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ

کے نام

جن کے چشمہ علم و حکمت نے جہاں سیکڑوں نامور علماء، فقہاء، خطباء، مناظرین، محدثین اور
مدرسین کو فیضیاب کر کے علم و عرفاں کا ایک گلشن آباد کر دیا وہاں اس ذرہ بے مقدار کو بھی اپنے
بے پایاں کرم سے نوازتے ہوئے اس کے قلب و جگر کو بھی شعور و آگہی کی خوشبوؤں سے مہکا
دیا۔

ابوالخیر محمد زبیر

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	ابتدائیہ	۶
۲	اعضاء کی پیوند کاری کی صورتیں	۹
۳	مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری	۹
۴	دلیل	۹
۵	پلاسٹک سرجری	۱۱
۶	دلیل	۱۳
۷	جانوروں کے اعضاء کی پیوند کاری	۱۶
۸	دلیل	۱۶
۹	انسانی اعضاء کی پیوند کاری	۱۹
۱۰	شرائط و قیودات	۲۰
۱۱	دلیل اول	۲۱
۱۲	دلیل ثانی	۲۳
۱۳	دلیل ثالث	۲۴
۱۴	دلیل رابع	۲۵
۱۵	مانعین کے اعتراضات	۲۵
۱۶	اعتراض اول	۲۶
۱۷	جواب	۲۶
۱۸	اعتراض ثانی	۲۷
۱۹	جواب	۲۸
۲۰	اعتراض ثالث	۲۸
۲۱	جواب	۲۹
۲۲	مسئلہ کی اہمیت	۳۰
۲۳	قرآن کی روشنی میں	۳۰
۲۴	حدیث کی روشنی میں	۳۴
۲۵	مانعین کے دلائل کے جوابات	۴۴
۲۶	دلیل اول	۴۴
۲۷	جواب	۴۵
۲۸	دلیل ثانی	۴۶
۲۹	جواب اول	۴۸
۳۰	جواب ثانی	۴۹

۵۵	جواب ثالث	۳۱
۵۶	دلیل ثالث	۳۲
۵۸	جواب	۳۳
۵۸	مثال	۳۴
۶۰	دلیل رابع	۳۵
۶۱	جواب	۳۶
۶۳	دلیل خامس	۳۷
۶۳	جواب	۳۸
۶۵	دلیل سادس	۳۹
۶۵	جواب	۴۰
۶۶	دلیل سابع	۴۱
۶۶	جواب	۴۲
۶۸	دلیل ثامن	۴۳
۶۹	جواب	۴۴
۶۹	انتقال خون	۴۵
۶۹	دلائل	۴۶
۷۱	شوہر کا خون پیوی کو دینا	۴۷
۷۲	مانعین کی دلیل	۴۸
۷۳	جواب	۴۹
۷۴	پوسٹ مارٹم	۵۰
۷۴	وجہ اولی	۵۱
۷۴	وجہ ثانیہ	۵۲
۷۴	وجہ ثالثہ	۵۳
۷۵	دلائل	۵۴
۷۵	مانعین کی رائے	۵۵
۷۶	جوابات	۵۶
۷۸	روزے میں انجکشن	۵۷
۷۸	دلیل اول	۵۸
۸۰	دلیل ثانی	۵۹
۸۰	دلیل سادس	۶۰
۸۰	دلیل رابع	۶۱
۸۱	دلیل خامس	۶۲
۸۳	اکٹھل والی دوائیں	۶۳

ابتدائیہ

میرے استاذ محترم حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو صرف ایک عالم ہی نہیں بلکہ عابد و عارف بھی ہیں، سلف صالحین کا ایک بہترین نمونہ ہیں اور میرے والد گرامی اور مرشد نامی قطب وقت مفتی اعظم حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قائم کردہ سندھ کی عظیم دینی درسگاہ رکن الاسلام جامعہ مجددیہ کے بانی اراکین میں سے ہیں ان کی طبیعت ناساز ہو گئی، پاکستان بلکہ ایشیا کے نامور سرجن ڈاکٹر ادیب رضوی نے بتایا کہ ان کے دونوں گردے بے کار ہو گئے ہیں اگر کسی کا گردہ لگا دیا جائے تو ان کی جان بچ سکتی ہے لیکن کسی کا گردہ کیسے لگایا جائے.....؟ علماء تو اس کو ناجائز بتاتے ہیں، فقیر کے کتب خانہ میں اس موضوع پر چند علماء کی کتب تھیں فوراً ان کو دیکھا بالخصوص مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب ”انسانی اعضاء کی پیوند کاری“ اور علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر تفصیلی مضمون پڑھا اور ان دونوں حضرات نے اس کے ناجائز ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے اس کو دیکھ کر بڑا افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی ہوا کہ اسلام میں جس انسانی جان کی حرمت و عزت خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے ان علماء کی نظر میں یہ بے وقعت شے ہے ہم پر چوں کہ بیت رہی تھی اس لیے انسانی جان کی قدر و قیمت کا ہمیں زیادہ احساس ہوا اور وہ بھی ایک عالم و عارف کی جان جس کی زندگی سے ہزار ہا مردہ دلوں کی زندگی وابستہ ہوتی ہے ان کی بیماری نے اس علاج کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیا جب اس موضوع پر غور و خوض کرنا شروع کیا تو بہت سی آیات، احادیث اور فقہاء کے اقوال سامنے آئے جنہوں نے اس علاج کے جواز کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ان دلائل کو اور ماحین کے دلائل کے جوابات کو

صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے اس کو کتابی شکل دے دی تاکہ ڈاکٹر حضرات اس طرف سے مطمئن ہو کر مخلوق خدا کی خدمت میں ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور اللہ کے بندوں کی جانیں بچا کر ان کو نئی زندگیاں عطا کر کے دونوں جہاں میں سرخرو ہوں اور دارین میں رب کی رضا اور خوشنودی سے سرفراز ہوں اس میں مزید چند جدید طبی مسائل کا بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں حل پیش کر دیا ہے تاکہ عوام کے لیے یہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کا باعث بن سکے۔

جماعت اہل سنت حیدر آباد کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا قاری عبدالعزیز صاحب ان کے رفقاء اور حاجی منصور الہی صاحب اور حاجی صبور احمد صاحب لائق تحسین اور قابل تمہیک ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون فرما کے اجر عظیم حاصل کیا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

یارب العالمین !

میری اس حقیر سی کوشش کو اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما۔

یا ارحم الراحمین !

میری اس حقیر کوشش کے سبب تیرے جن جن بندوں کی مشکلیں آسان ہوں اور جن جن کو نئی نئی زندگیاں ملیں ان کے صدقہ میری قبر اور حشر کی مشکلیں آسان کر دے اور مجھے حیات ابدی سے سرفرازی عطا کر دے۔

یا اکرمل الاکرمن !

میری اس ادنیٰ سی کاوش کے سبب تیرے جن جن بندوں کو آنکھیں مل جائیں جن کی تاریک دنیا روشن ہو جائے اس کے صدقہ عصیان کی ظلمتوں اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے میرے دل کو اپنی عفو و مغفرت اور لطف و رحمت کے نور سے

روشن فرمادے۔

باغیات المستغیثین !

حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو شفاۓ کاملہ اور صحت عاجلہ سے سرفراز فرما کے ان کے علمی اور روحانی فیض سے اپنے بندوں کو تادیر مستفیض ہوتے رہنے کا موقعہ عطا فرمادے۔

ابوالخیر محمد زبیر

سجادہ نشین، آستانہ عالیہ رکنویہ محمودیہ

مفتی و شیخ الحدیث، رکن الاسلام جامعہ مجددیہ

آزاد میدان ہیر آباد حیدر آباد

تاریخ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ ۷ فروری ۱۹۹۶ء بروز ہفتہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
﴿نُحَمِّدُهُ، وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ﴾

اعضاء کی پیوند کاری کی تین صورتیں ہیں.....

۱۔ مصنوعی اعضاء === یعنی کسی بھی دھات یا لکڑی اور پلاسٹک یا کسی بھی مصالحہ کے مصنوعی اعضاء بنا کر انسانی جسم میں لگا دینا۔

۲۔ جانوروں کے اعضاء === دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرورت کے وقت انسانی جسم میں لگا دیئے جائیں۔

۳۔ انسانی اعضاء === تیسری صورت یہ ہے کہ مردہ یا زندہ آدمی کے اعضاء کسی دوسرے آدمی میں لگا دیئے جائیں۔ تینوں صورتوں کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کی جاتی ہے

مصنوعی اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ کسی معذور اور بیمار کو جس عضو کی ضرورت اور حاجت ہو وہ عضو کسی سونے چاندی پیتل الغرض کسی بھی دھات یا کسی مسالے مثلاً پلاسٹک اور لکڑی وغیرہ کا بنا کر لگایا جاسکتا ہے، یہ صورت متقدمین اور متاخرین علماء اور فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

دلیل

دلیل یہ حدیث مبارک ہے.....

عن عبد الرحمن بن طرفة ان جده عرفجه بن
اسعد قطع انفه يوم الكلاب فاتخذ انفا من
ورق فانتن عليه فامرہ النبی ﷺ ان يتخذ
انفا من ذهب۔

(جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوٰۃ)



ترجمہ :- حضرت عبدالرحمن بن طرفہ کہتے ہیں کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگوالی اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہو گیا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت یعنی جب کسی کا کوئی عضو ضائع یا بے کار ہو گیا ہو تو اس کی جگہ پر مصنوعی اعضاء لگانا جائز ہے حتیٰ کی حدیث کی رو سے ضرورت کے وقت سونے چاندی کے اعضاء لگانے کی بھی اجازت ثابت ہو گئی، چنانچہ اس حدیث کے تحت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں.....

وقد روى من غير واحد من اهل العلم انهم
شددوا اسنانهم بالذهب و في هذا الحديث
حجة لهم۔

ترجمہ :- متعدد اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانتوں کو سونے کے ساتھ باندھا اور اس حدیث میں ان کے لیے دلیل ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں.....

وبه اباح العلماء اتخاذ الانف ذهبا و كذا
ربط الاسنان بالذهب۔

ترجمہ :- اسی حدیث کی بناء پر علماء نے سونے کی ناک بنا کر لگوانے اور سونے کے ساتھ دانتوں کو باندھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

پلاسٹک سرجری

آجکل ظاہری اعضاء بالخصوص چہرے کی پلاسٹک سرجری کا طریقہ بھی رائج ہو گیا ہے اس کے متعلق ہمارے موجودہ دور کے علماء کا اختلاف ہے، مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب زید مجدہ کی رائے گرامی یہ ہے کہ.....

کسی شخص کے چہرہ پر کوئی دھبہ یا داغ وغیرہ ہوں اور چہرہ بالکل بگڑ نہیں گیا ہو تو محض خوبصورتی کے لیے پلاسٹک سرجری جائز نہ ہوگی البتہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ کسی حادثہ وغیرہ کی وجہ سے اس کی شکل و چہرے میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو جائے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے نہ جاسکتا ہو یا لوگوں نے اس وجہ سے اس سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہو تو ایسے شخص کو ایک اچھی صورت میں زندگی گزارنے اور لوگوں کے درمیان بلا تکلف آنے جانے کے لیے پلاسٹک سرجری کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

(ماہنامہ السعید، شمارہ ستمبر ۱۹۹۵ء، مضمون پوسٹ مارٹم اور

پلاسٹک سرجری کی شرعی حیثیت)

شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی صاحب زید مجدہ کی اس بارے میں رائے گرامی اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں.....

اول تو بلا ضرورت کی قید بیکار ہے کیوں کہ کوئی شخص بلا ضرورت پلاسٹک سرجری جیسا منگا علاج نہیں کراتا ضرورت کے وقت ہی کراتا ہے ثانیاً محض زیب و زینت کی بناء پر پلاسٹک سرجری کو شیطانی عمل قرار دینا بھی عجیب و غریب

اور عقل شکن جملہ ہے، جائز زیب و زینت کو آپ نے کس دلیل شرعی سے ناجائز قرار دیا.....؟ جب کہ فقہائے کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مستورات کو اپنے خاوند کو خوش رکھنے کے لیے بناؤ سنگھار کرنا اور زیب و زینت کو اختیار کرنا کارِ ثواب ہے، بناء بریں زیب و زینت ہی کے لیے اپنے خاوند کو خوش کرنے کی نیت سے چہرہ کے بدنما داغوں، دھبوں اور مسوں کو ختم کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری کرنا شیطانی عمل اور موجب لعنت ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ کارِ ثواب اور مستحب قرار پائے گا۔

(ماہنامہ رضوان)

دونوں علماء کی رائے آپ کے سامنے آگئیں اس سلسلہ میں احقر علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہ کی رائے گرامی سے اس حد تک متفق ہے اور ان کی تائید کرتا ہے کہ داغ دھبے مہاسے یا چھچک وغیرہ کے ذریعہ جو چہرہ پر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اس کا دور کرنا بھی ضرورت شرعیہ اور حاجت شرعیہ کے تحت آئے گا اس کے لیے بھی پلاسٹک سرجری جائز ہوگی جس طرح کسی کا بالکل کوئی عضو نہ رہے یا کسی حادثہ کی وجہ سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو جائے اس وقت پلاسٹک سرجری جائز ہوتی ہے اسی طرح ان صورتوں میں بھی پلاسٹک سرجری جائز ہوگی۔

لیکن فقیر حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجددہ کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ ”بلا ضرورت“ کی قید ہی بے کار ہے کیوں کہ آج کل فیشن ایبل گھرانوں اور دولت مند خاندانوں کی بوڑھی خواتین بغیر کسی بیماری کے بلا ضرورت صرف اپنے بڑھاپے کو چھپانے کے لیے اور ساٹھ سال کی عمر میں پھر سے پندرہ سالہ دو شیزہ نظر آنے کے لیے بھی پلاسٹک سرجری کر رہی ہیں جو بد اہت بلا ضرورت کے تحت آئے گا اور یقیناً ناجائز ہو گا خواہ وہ اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لیے کریں یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے ایسا کریں بہر حال یہ قرآن و

حدیث کا منشاء کے خلاف یہ سب باتیں اور اس کے رسوا کرنے والے کا تاراجی کا باعث ہے۔

فقیر کی اس رائے کی تائید اردن کے ایک بہت بڑے عالم اور مفتی شیخ محمد سعید صاحب کے اس فتوے سے ہوتی ہے جو حال ہی میں پاکستانی اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ انہوں نے محض خوبصورتی کے لیے پلاسٹک سرجری کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (جنگ کراچی جنوری ۱۹۹۶ء)

دلیل اس سلسلہ میں ہماری دلیل وہی مندرجہ بالا حدیث عرفجہ ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی کو ان کی ناک کٹ جانے پر سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی حالانکہ بغیر ناک کے بھی اچھا کام چل رہا تھا ان کو سانس لینے میں کوئی پریشانی یا تکلیف نہیں تھی لیکن اس کے باوجود چونکہ چہرہ بد نما لگ رہا تھا اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک لگانے کا حکم فرمایا جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر وہ چیز جو چہرہ کی بد نمائی کا باعث بنے خواہ کسی حادثہ کی وجہ سے چہرہ کا بگاڑ ہو یا دانے پھنسی مہاسے کسی قسم کے دھبے وغیرہ یا کسی بھی بیماری کی وجہ سے چہرہ میں کوئی بد نمائی اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہو تو اس کے دور کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری جائز ہوگی محض حسن اور زیبائش کے لیے ”بلا ضرورت“ پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہوگی اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے.....

﴿وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرْنَ خَلْقَ اللَّهِ﴾ (سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۹)

ترجمہ :- اور ضرور انہیں حکم دوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدل دیں۔

یہ شیطان کا قول ہے جو قرآن میں نقل کیا گیا کہ وہ لوگوں کو ان کی بنائی صورتیں بدلنے کا حکم دے گا اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ اسماعیل ابن کثیر نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کو بخاری و مسلم اور ترمذی نے بھی چند الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ نقل کیا ہے وہ حدیث مبارکہ یہ ہے.....

لعن الله الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات

خلق الله عز وجل (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۸۸۰)
ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر اور چہرہ کے بال نوچنے والی اور نچوانے والی عورتوں پر اور حسن و زیبائش کے لیے

(دانتوں کے درمیان) کشادگی پیدا کرنے والی، اللہ کی

بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کرنے والی عورتوں پر۔

آیہ مبارکہ کی تفسیر میں اس حدیث مبارکہ کے لانے اور اس حدیث مبارکہ میں ”

للحسن“ کی قید کے اضافہ سے دو باتیں ثابت ہو گئیں۔

اول پہلی یہ کہ تغیر خلق مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ وہ تغیر خلق ممنوع ہے اور شیطانی فعل ہے

جو بلا ضرورت محض للحسن ہو یعنی صرف آرائش و زیبائش اور فیشن کے لیے ہو اور وہ تغیر

خلق جو بلا ضرورت نہ ہو بلکہ کسی حاجت اور ضرورت کے تحت ہو وہ ممنوع نہیں جیسا کہ

حدیث علفجہ میں سونے کی ناک لگا کر ”تغیر خلق“ کی اجازت دے دی گئی۔

اسی طرح کسی حادثہ یا بیماری وغیرہ کی صوری میں جو چہرہ پر داغ دھبے پیدا ہو جائیں جو چہرہ کی

بدنمائی کا باعث ہوں وہاں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ تغیر خلق جائز ہو گا جب کہ برعکاس کو

چھپانے کے لیے اور نوجوان نظر آنے کے لیے محض فیشن اور حسن کی خاطر بلا ضرورت

پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہوگی۔

ثانی

اور دوسری بات یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گئی کہ زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی بھی

دو قسمیں ہیں ایک محمود اور جائز دوسری مذموم اور ناجائز، وہ زیب و زینت اور آرائش و جمال

جس میں تغیر خلق نہ ہو وہ شریعت میں محمود، پسندیدہ اور جائز ہے جیسے کہ مہندی، تیل، کنگھی

اور مختلف قسم کے صابن، لوشن، کریمیں اور ہر قسم کے عطریات وغیرہ یہ سب جائز ہیں اور یہی

زیب و زینت ہے جو بیوی کو اپنے شوہر کی رضا و خوشنودی کے لیے کرنا کارِ ثواب ہے، اسی کے

لیے ارشاد رب العزت ہے.....

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾

(سورہ اعراف آیت نمبر ۳۲)

ترجمہ :- آپ فرمادیجئے کہ کون ہے وہ جس نے اللہ

پیدا کی ہے۔

اور اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَ يَحِبُّ الْجَمَالَ۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان ص ۱۳۷)

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو

پسند فرماتا ہے۔

اور وہ زیب و زینت اور آرائش و جمال جس میں ”تغییر خلق“ پایا جائے وہ ناجائز و مذموم اور اللہ اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، مندرجہ بالا حدیث اس پر شاہد ہے بالخصوص ”والتفلیجات للحسن“ یعنی حسن کی خاطر دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں پر لعنت فرما کر یہ بتا دیا کہ صرف حسن کے لیے چہرہ میں اتنا سا تغیر بھی شریعت کو گوارا نہیں اور رب کو پسند نہیں کہ جب دانت صحیح ہوں تو بلا ضرورت ان دانتوں کے درمیان کشدگی پیدا کر لی جائے لہذا جہاں اس سے بڑا تغیر و تبدل ہو گا جیسا کہ آجکل پلاسٹک سرجری کے ذریعہ چہرہ کی ساری ساخت بدل دی جاتی ہے بھلا وہ شریعت میں کب روا اور جائز ہو سکتا ہے ہاں ضرورت کے تحت اس کی اجازت حدیث عرفہ سے ہم ثابت کر آئے ہیں۔

زیب و زینت اور آرائش و جمال کی مدح میں ہم نے ابھی جو آیت و حدیث نقل کی ہے اس سے اور بیوی کو اپنے شوہر کے لیے زیب و زینت کرنا مستحب ہے اس فقہی جزیئہ سے حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجدد نے ہر قسم کی زیب و زینت کو جائز بلکہ مستحب قرار دیدیا ہے حالانکہ ہم نے ابھی قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا کہ بعض حسن و جمال اور زیب و زینت مذموم اور رب کے نزدیک ناپسندیدہ بھی ہیں وہ ہرگز ان آیات اور احادیث کے تحت داخل نہیں جس میں حسن و جمال کی تعریف کی گئی ہے اگر محمود اور مذموم دونوں قسم کی زینتوں میں فرق نہ کیا گیا تو آیات اور احادیث میں تعارض واقع ہو جائے گا اور ان کے درمیان تطبیق مشکل ہو جائے گی۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت اور حاجت کے وقت پلاسٹک سرجری جائز ہے جب کہ بلا ضرورت محض زیب و زینت اور آرائش کے لیے پلاسٹک سرجری کرا کے تغیر خلق کی

شریعت اجازت نہیں دیتی۔

جانوروں کے اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرور تمند انسانوں کے لگا دیئے جائیں اس میں متقدمین اور متاخرین فقہاء اور علماء کا اتفاق ہے کہ ”حلال اور مذبوح (شرعی طور پر ذبح شدہ) جانوروں کے اعضاء سے انسانی جسم میں پیوند کاری کی جاسکتی ہے اور یہ جائز ہے جب کہ ہڈی، کھر، سینگ، بال اور دباغت کے بعد کھال یہ سب چیزیں سوائے خنزیر کے ہر جانور کی پاک ہوتی ہیں لہذا خواہ جانور حلال ہو یا حرام مذبوح ہو یا مردار (جب کہ مردار کی اس پر کوئی رطوبت نہ ہو) ان چیزوں سے انسانی علاج اولہ ان کی انسانی جسم میں پیوند کاری بھی قطعاً جائز ہے۔

دلیل

اس پر دلیل یہ آئیہ مبارکہ ہے.....

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾

منہا تا کلون

(سورہ نحل آیت نمبر ۶)

ترجمہ :- اور اس نے چوپایوں کو بھی پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرم لباس ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ان حلال جانوروں سے اعضاء کی پیوند کاری جیسے دیگر فوائد بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے نفع اور فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے.....

و شعر المیتۃ غیر الخنزیر علی المذہب وعظمہا

وعصبتها على المشهور وحافرها وقرنها
الخالیه عن الدسومة طاهر۔

ترجمہ :- اور مروار کے بال سوائے خنزیر کے امام
اعظم رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر اور اس کی
ہڈی اور اس کے پٹھے مشہور روایت کے مطابق اور
اس کے کھر اور اس کے سینگھ جو چکناہٹ اور چربی
سے خالی ہوں وہ پاک ہیں۔

اسی عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں.....

لما مر من حدیث الصحیحین من قوله
عليه السلام في شاة ميمونة انما حرم اكلها
وفي رواية لحمها فدل على ان ما عدا اللحم
لا يحرم فدخلت الاجزاء المذكورة وفيها
احاديث اخر صريحة في البحر وغيره۔

ترجمہ :- اس کی دلیل وہ حدیث جو صحیحین (بخاری
و مسلم) میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ کی بکری کے
لیے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے اور ایک روایت
میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اس کا گوشت حرام ہے
اس سے ثابت ہوا کہ گوشت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ
حرام نہیں ہے لہذا مذکورہ اجزاء اس میں داخل ہو
جائیں گے (اور جائز قرار پائیں گے) اس میں بطور
دلیل بحر نے اور بھی احادیث ذکر کی ہیں۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے.....

قال محمد رحمة الله تعالى عليه ولا باس
بالتداوى بالعظم اذا كان عظم شاة او بقرة
او بعير او فرس او غيره من الدواب الا عظم
الخنزير والادمي فانه يكره التداوى بهما۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۳۴۵)

ترجمہ :- امام محمد رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ
جانوروں میں سے بکری یا گائے یا اونٹ یا گھوڑے یا
دوسرے کسی بھی چوپائے کی ہڈی سے علاج کرنے میں
کوئی حرج نہیں سوائے خنزیر اور آدمی کی ہڈی کے
کیوں کہ اس سے علاج مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا حکم عام حالات میں ہے جب کہ اضطرار و مجبوری کی صورت میں یعنی جب
جان بچانے کے لیے کسی حلال اور مذہب جانور کے اعضاء نہ مل رہے ہوں اور کسی حرام یا
مردار جانور کے اعضاء لگانے یا اس کے ذریعہ علاج سے مریض کی زندگی بچ جانے کا کوئی ماہر
حکیم یا ڈاکٹر یقین دلاتا ہو تو ایسی صورت میں حرام یا مردار جانوروں کے اعضاء سے بھی علاج
اور پیوند کاری جائز ہو جائے گی۔

ویل

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی یہ واضح آیت مبارکہ موجود ہے.....

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ
وَمَا أَهْلَ بِهِ لغيرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۳)

ترجمہ :- اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو تو جو لاچار اور مجبور ہو جائے (لیکن) نہ (اپنی) خواہش سے کھائے اور ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں حالت اضطرار کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا.....

و يجوز للعليل شرب الدم والبول و اكل الميتة للتداوي اذا اخبره طبيب ان شفاءه فيه و لم يجد في المباح ما يقوم مقامه۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۳۵۵)

ترجمہ :- اور بیمار کے لیے خون اور پیشاب اور مردار کا بطور دوا کھانا جائز ہے جب کہ معالج یہ بتائے کہ اس مریض کی شفاء اسی میں ہے اور اس وقت کوئی مباح چیز اس کے قائم مقام نہ مل رہی ہو۔

معلوم ہوا کہ اضطرار اور مجبوری کے وقت مندرجہ بالا شرائط کے تحت مجبور اور لاچار آدمی کے لیے حرام چیز سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہے لہذا اس اضطرار کی صورت میں خنزیر اور دیگر حرام جانوروں اور مردار کے اعضاء سے علاج اور انسانی جسم میں ان کی پیوند کاری جائز ہو جائے گی۔

انسانی اعضاء

پیوند کاری کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی زندہ یا مردہ انسان کا کوئی عضو لے کر کسی دوسرے شخص کے جسم میں لگا دیا جائے، قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں یہ تیسری

صورت بھی مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے اور شریعت اسلامیہ میں چند قیودات کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے، ان چند شرائط اور قیودات کی تفصیل یہ ہے.....

۱۔ شدید ضرورت اور حاجت ہو یعنی کسی مریض کے لیے اس کے ماہر معالج کی یہ رائے ہو کہ اگر فلاں انسانی عضو اس کے لگا دیا جائے تو اغلب گمان یہ ہے کہ اس کی جان بچ سکتی ہے یا اس کو اس مرض سے نجات اور شفاء مل سکتی ہے اس کے علاوہ اس کی جان بچنے یا اس کی شفاء کا کوئی اور راستہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی جان بچانے کی خاطر یا اس کی شفاء کی خاطر کسی آدمی کا عضو لے کے اس کے لگانا جائز ہوگا۔

۲۔ اعضاء دینے والے کے لیے ماہر معالج کا یہ کہنا ہو کہ اس عضو کے دینے سے نہ یہ ہلاک ہوگا اور نہ اس کو کوئی شدید نقصان ہوگا، جیسے آجکل ڈاکٹر حضرات تمام ٹیسٹ مکمل کرنے کے بعد یہ رائے دیتے ہیں کہ اس شخص نے اگر اپنا ایک گردہ دے دیا تو نہ اس کی جان کو کوئی خطرہ ہے اور نہ ہی اس کو کوئی ضرر شدید لاحق ہوگا بلکہ اس کی صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا تو ایسی صورت میں اس کا گردہ لینا جائز ہوگا اور اگر اس میں اس کی جان کی ہلاکت ہو یا ضرر شدید ہو جیسے کوئی شخص دل یا اپنے دونوں گردے یا اپنی آنکھ یا ہاتھ پیر وغیرہ اپنی زندگی میں عطیہ کر دے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا کیوں کہ ان صورتوں میں یا تو اس کی جان کی ہلاکت ہے یا ضرر شدید جب کہ یہ دونوں منع ہیں ہاں البتہ ان اعضاء کے لیے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے یہ اعضاء لے لیے جائیں تو یہ صورت جائز ہوگی کیوں کہ موت کے بعد ہلاکت اور ضرر شدید دونوں چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جائے گی۔

۳۔ عضو دینے والا محض اپنی رضا اور خوشنودی سے اپنی زندگی میں اپنا کوئی عضو دے یا مرنے کے بعد یہ عضو لینے کی وصیت کر جائے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تمام جائز و رشاء بھی اس عضو کے دینے پر راضی ہوں تو اس کا عضو لے کر کسی دوسرے انسان کے لگانا جائز ہوگا اور اگر اس کی رضا اور خوشنودی نہیں تو جبراً اس سے اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد اس کا کوئی عضو لینا جائز نہیں ہوگا اسی طرح اگر اس کے مرنے کے بعد اس کے جائز تمام ورشاء اس کا عضو دینے پر راضی نہیں ہیں تو اس صورت میں بھی مرنے کے بعد اس کا عضو لینا جائز نہیں ہوگا۔

۴۔۔۔ یہ اعضاء کا لین دین رضا کارانہ طور پر ہو، اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، ہاں اگر کہیں یہ صورت ممکن نہ ہو کوئی رضا کارانہ طور پر دینے والا موجود نہ ہو اور شدید ضرورت اور حاجت ہو تو اس صورت میں اس کا خریدنا بھی جائز ہوگا۔

دلیل اول

پہلی دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا یہ ایک متفقہ اصول ہے کہ ”الضرورات تبیح المحظورات“ کہ ضرورت ممنوعہ چیزوں کو جائز کر دیتی ہے اور یہ اصول قرآن کی اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے۔

﴿انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر و
ما اهل به لغير الله فمن اضطر غیر باغ و
لإعاد فلا اثم علیہ﴾

(سورہ بقرہ آیت ۱۷۳)

ترجمہ :- اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، تو جو لاچار و مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ خواہش سے کھائے اور نہ ضرورت سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

معلوم ہوا جب جان جا رہی ہو تو ضرورت کے وقت خنزیر کے گوشت اور مردار اور خون جیسی حرام چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے.....

الضرورات تبیح المحظورات و من ثم جاز

اکل المیتة عند المخمصة و اساعة اللقمة

بالخمر و التلفظ بكلمة الکفر للاکراه۔ (ص ۱۱۲)

ترجمہ :- ضرورتیں ممنوعہ چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں اسی

لیے بھوک کے وقت مردار کا کھانا اور (جب لقمہ گلے
میں پھنس گیا ہو) اور پانی وغیرہ کچھ نہ ہو تو لقمہ کا
شراب کے ذریعہ حلق سے اٹارنا اور جبرواکراہ کے
وقت کلمہ کفر کہنا جائز ہو گیا۔

اسی طرح گزشتہ اوراق میں ایک حدیث مبارک گزری کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
آلہ وسلم نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت دے دی
حالانکہ مردوں کے لیے سونے کا استعمال حرام ہے اور اس وقت کوئی اضطراری حالت بھی
نہیں تھی کہ اگر وہ سونے کی ناک نہ لگاتے تو ان کی جان کو کوئی خطرہ ہوتا بلکہ صرف ان کے
علاج اور شفاء کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک لگانے کی
اجازت دی معلوم ہوا کہ حاجت کی صورت میں بھی یعنی کسی مرض سے نجات اور شفاء حاصل
کرنے کے لیے بھی جب اس کے علاوہ اور کوئی صورت شفاء کی ممکن نہ ہو حرام چیز حلال
ہو جاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا مندرجہ بالا اصول ”الضرورة تبیح المخطورات“ کے
تحت جائز ہو جاتا ہے چنانچہ درمختار میں ہے.....

قيل يرخص اذا علم فيه الشفاء و لم يعلم
دواء آخر كما رخص في الخمر للعطشان و
عليه الفتوى

(درمختار)

ترجمہ :- کہا گیا ہے کہ جب اس میں شفاء کا گمان
غالب ہو (علم بہ معنی ظن غالب) اور کسی دوسری دواء
کا پتہ نہ ہو تو اس صورت میں رخصت دی جائے گی
جیسے پیاسے کو شراب پینے کی اجازت دی گئی ہے اور
اسی پر فتویٰ ہے۔

اور اسی کے تحت شامی میں ہے.....

يجوز ان علم فيه الشفاء و لم يعلم دواء آخر (شامی)

ترجمہ :- (اور حرام سے علاج کرنا) جائز ہوگا اگر یہ گمان غالب ہے کہ شفاء اسی حرام سے علاج میں ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری دواء کا پتہ نہ ہو۔

لہذا یہاں بھی کسی مریض کی جان بچانے یا اس کو کسی تکلیف وہ مرض سے نجات دلانے کے لیے کسی دوسرے کا عضو لیکر اس کے جسم میں اس کی پیوند کاری کرنا ”اگر حرام بھی ہو“ تو اس ضرورت اور حاجت کے وقت مندرجہ بالا اصول کے تحت مذکورہ بالا آیہ شریفہ اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ حلال اور جائز ہو جائے گا اور اس وقت اس کی حرمت ختم ہو جائے گی۔

دلیل ثانی

دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی اصول ہے کہ....

اذا تعارض مفسدتان روعي اعظمهما ضررا

بارتکاب اخفهما۔ (الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، ص ۱۱۲)

یعنی جب دو برائیاں آدمی کو درپیش ہوں تو کم برائی کو اختیار کیا جائے گا۔

اس کی مثال دیتے ہوئے محقق ابن نجیم فرماتے ہیں کہ جیسے کسی کے جسم میں ایسا زخم ہے کہ اگر وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو اس زخم سے خون رسنے لگتا ہے اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو خون نہیں رستا تو ایسی صورت میں اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور اشارہ سے سجدہ کرے کیوں کہ یہاں بھی دو برائیاں تھیں ایک نماز کا حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنا اور دوسری برائی تھی سجدہ کا چھوڑ دینا لیکن چونکہ سجدہ کا چھوڑ دینا بغیر وضو نماز کے مقابلہ میں ہلکی برائی ہے اس لیے یہاں ہم نے اس کو اختیار کر لیا اور سجدہ چھوڑ دیا اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیدیا لیکن سجدہ کر کے خون نکلنے کی وجہ سے حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

اسی طرح کسی مضطر کے پاس اپنی جان بچانے کے لیے صرف دو چیزیں ہیں ایک مردار

اور دوسرا کسی غیر کامل تو ایسی صورت میں علامہ طحاوی 'ابن سماعہ اور کرخی جیسے فقہاء کا مختار قول یہ ہے کہ مردار کھانا بڑی برائی ہے جب کہ کسی دوسرے کامل کھالینا ہلکی برائی ہے لہذا اس کو اجازت دی جائے گی کہ وہ ہلکی برائی کو اختیار کرے یعنی مال غیر کھا کر جان بچالے لیکن اس وقت بڑی برائی یعنی مردار کھانے کی اس کو اجازت نہیں دی جائے گی۔

اسی طرح یہاں بھی اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں دو برائیاں ہیں ایک کسی مریض کی ہلاکت اور اس کی قیمتی جان کا ضیاع جب کہ دوسری برائی ہے کسی آدمی کی حرمت یا میت کی حرمت کی پامالی 'ظاہر ہے کسی آدمی کی ہلاکت اور اس کی جان کا ضیاع یہ بہت بڑی برائی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں چھوٹی برائی کو اختیار کر لیں گے یعنی حرمت آدمیت کی پامالی اگر بالفرض ہوتی ہے تو اس کو گوارہ کر لیں گے لیکن کسی جان کی ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس کو ہرگز گوارہ نہیں کریں گے جس طرح مردار اور مال غیر میں سے اہون البلیہ کو اختیار کر کے دوسرے کامل کھا کر جان بچانے کی اجازت دے دی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی دوسرے کا عضو لیکر جان بچانے کی اجازت دے دی جائے گی یعنی حرمت آدمیت و میت کی پامالی اور جان کی ہلاکت میں سے اہون البلیہ حرمت کی پامالی کو اختیار کر کے جان بچانے کی اجازت دیدی جائے گی اور جان کی ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

دلیل ثالث

شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی متفقہ اصول ہے کہ بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دیا جائے گا 'یہاں بھی دو فائدہ ہیں ایک فائدہ ہے کسی جان کا بچانا اس کو شفاء دینا اور دوسرا فائدہ ہے آدمیت اور میت کی تعظیم و تکریم 'ظاہر ہے کسی جان کو بچانے اور اس کو شفاء دینے اس کو مصیبت سے نجات دلانے سے بڑا فائدہ کون سا ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک شعر کے دوسرے مصرعہ میں فرمایا۔

اور حفظ جان تو جان فروض غرر کی ہے

یعنی بڑے بڑے اہم فرضوں میں سے سب سے اہم فرض اور سب فرضوں کی جان کسی

جان کا بچالینا ہے کسی جان کی حفاظت سب فرضوں سے زیادہ اور اہم فرض ہے لہذا کسی دوسرے کا عضو لینے میں بالفرض اگر آدمیت اور میت کی تکریم اور تحریم ختم بھی ہوتی ہے تو ہونے دیں گے اس چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دیں گے لیکن بڑا فائدہ یعنی جان کی حفاظت اس کو ہر حال میں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تکریم آدمیت جیسے چھوٹے اور معمولی فائدہ کی خاطر حفظ جان جو ”جان فروض غرر“ ہے اس کو کسی صورت میں ترک نہیں کیا جائے گا چنانچہ بحر الرائق میں لکھا ہے....

لأن ذلك تسبب في احياء نفس محترمة بترك

تعظيم الميت فالاحياء اولي

(بحر الرائق جلد ۸ ص ۲۳۳)

ترجمہ :- کیوں کہ تعظیم میت کے ترک میں ایک محترم جان کو زندگی مل رہی ہے لہذا جان بچانے اور زندگی بخشنے کو ترجیح دی جائے گی۔

دلیل رابع

شریعت اسلامیہ کا ایک اصول یہ ہے کہ جب ایک چیز میں نفع اور نقصان کے دو پہلو ہوں لیکن نفع زیادہ ہو اور نقصان کم ہو تو نفع کو اختیار کر لیا جائے گا لہذا یہاں بھی ایک چیز ہے اور وہ ہے اعضاء کی پیوند کاری اب اس میں دو پہلو ہیں ایک نفع کا پہلو اور وہ ہے کسی کی جان کا بچ جانا یا کسی کو صحت اور شفاء حاصل ہو جانا اور دوسرا پہلو ہے نقصان کا اور وہ ہے کسی آدمی کا عضو لیکر آدمیت یا میت کی بے حرمتی کرنا لیکن چونکہ اس معاملہ میں جان کا بچ جانا یا کسی کو صحت مل جانا بہت بڑا نفع ہے لہذا اس نفع کو اختیار کر لیں گے اور کسی آدمی کا عضو لینے سے آمیت یا میت کی جو بے حرمتی ہوگی اس نقصان کے پہلو کو نظر انداز کر دیں گے۔

مانعین کے اعتراضات

انسانی اعضاء کی پیوند کاری پر ہم نے ابھی جو چار دلائل ذکر کیئے ہیں اس پر مانعین یعنی

عدم جواز کا قول کرنے والے کچھ اعتراضات کرتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ان دلائل کا وہ رد کرتے ہیں، آئیے ذرا ان کے اعتراضات کا جائزہ لیں۔

اعتراض اول

پہلی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجددہ جو اس کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں.....

ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے اس سے
پیوند کاری کا جواز لازم نہیں آتا کیوں کہ جو شخص
اعضاء کٹوا رہا ہے اسے کوئی ضرورت ہے نہ اضطرار
تو کس بناء پر ایک ممنوع چیز اس کے لیے مباح ہوگی۔
(شرح صحیح مسلم، از غلام رسول سعیدی ج ۲ ص
۸۶۶)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ مثلاً وہ بیمار جس کو گردہ کی ضرورت ہے وہ تو مضطر ہے اور اس کو ضرورت ہے اسی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا عضو لینا اس کو جائز ہو گیا اس مجبور و لاچار آدمی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے جس آدمی کا یہ عضو لے رہا ہے اس کی حرمت ختم ہو جائے گی جو شخص عضو دے رہا ہے اس کے لیے علیحدہ کسی دوسرے اضطرار کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

دیکھئے امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول ہے کہ کوئی حاملہ فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا جائز ہے، اب یہاں اضطرار کی حالت بچہ کی ہے نہ کہ ماں کی، ضرورت بچہ کو ہے نہ کہ ماں کو لیکن چونکہ بچہ کی ضرورت ماں کے ساتھ متعلق ہے لہذا ماں کا پیٹ چاک کرنا اس کی لاش کی بے حرمتی جو کہ اشد حرام فعل تھا وہ جائز ہو گیا حالانکہ ماں حالت اضطرار میں نہیں بلکہ وہ تو

مردہ ہے جہاں اضطرار اور عدم اضطرار کی بحث ہی نہیں کی جاسکتی تو ضرورت اور اضطرار ماں کو کو نہیں بلکہ صرف بچہ کو ہے اور اس کی وجہ سے پیٹ چاک ماں کا کیا جا رہا ہے ”یعنی ضرورت یہاں ہے اور حرمت وہاں ختم ہو رہی ہے“ اب میں معترضین سے کہتا ہوں جو جانبین میں اضطرار لازمی قرار دیتے ہیں وہ پہلے ماں میں اضطرار ثابت کریں پھر اس کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دیں حالانکہ اس کے تو وہ بھی قائل نہیں....! لہذا یہاں بھی ان کو عضو دینے والے کے اضطرار پر اصرار نہیں کرنا چاہیے جو آدمی بیمار ہے وہ مضطر ہے اور ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت جس دوسرے شخص کے ساتھ متعلق ہے اس کا عضو لینا اور اس کو اپنا عضو کاٹ کر اسے دینا جائز ہو جائے گا اس جان بلب مریض کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے دینے والی کی حرمت ختم ہو جائے گی جس طرح بچہ کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے اس کی ماں کی لاش کی حرمت ختم ہو گئی تھی۔

اعترض ثانی

دوسری دلیل کار و کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجددہ فرماتے ہیں

دو برائیوں میں سے کم برائی کو اختیار کر لینا چاہیے، گزارش ہے کہ اعضاء کو کٹوانا تو برائی ہے لیکن کسی ضرورت مند کو یہ اعضاء کاٹ کر نہ دینا سرے سے کوئی برائی ہی نہیں ہے کیوں کہ اس کا کسی انسان کو مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ ضرورت مندوں میں اپنے اعضاء تقسیم کرے بلکہ اپنے اعضاء کاٹ کر دینے سے روکا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے ظاہر ہے۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص

جواب

بے شک ”مطلقاً“ اعضاء کاٹ کر نہ دینا کوئی برائی نہیں بلکہ اس وقت اعضاء کا کاٹنا برائی لیکن جب اس کا تعلق کسی قیمتی جان کی ہلاکت سے ہو اور اس کے باعث ایک قیمتی جان ضائع ہو رہی ہو تو اب کاٹنا برائی نہیں ہوگا بلکہ نہ کاٹنا معیوب سمجھا جائے گا، اگلے اوراق میں ہم متعدد آیات اور احادیث پیش کر رہے ہیں جس سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام میں ایک انسانی جان کی کیا اہمیت اور کتنی قدر و قیمت ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود بغیر اپنا کوئی خاص نقصان کیے کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا برا ہے اور اپنی تنگی اور تکلیف برداشت کر کے دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہنے والا خدا کو کتنا پیارا اور محبوب ہے۔

اعتراض ثالث

تیسری دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ اس کا یوں رد فرماتے ہیں.....

”بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن یہاں اپنے اعضاء کو کٹوا دینا یا ان کی وصیت کرنا چھوٹا فائدہ نہیں بھاری نقصان ہے“

اسی طرح چوتھی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں....

”جب ایک چیز میں نفع اور ضرر کے دو پہلو ہوں اور ضرر کم اور نفع زیادہ ہو تو نفع کو اختیار کر لینا چاہیے“ اس قاعدہ کا اطلاق بھی یہاں صحیح نہیں کیوں کہ اس قاعدہ کے مطابق اول تو نفع اور ضرر ایک شخص کے لحاظ سے ہے اور جس معاملہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہاں دو الگ الگ شخص ہیں، ثانیاً یہاں اعضاء کٹوانے میں اس شخص کو نفع بالکل نہیں ہے سراسر نقصان ہے“

اسی طرح علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ ”اعضاء دینے میں بھاری نقصان ہے اور اس میں نفع بالکل نہیں“ یہ بھی شرعی لحاظ سے بالکل غلط ہے کیوں کہ اپنے بھائی کی زندگی یا اس کے سکھ کی خاطر کچھ قربانی دینے کو اسلام میں ”ایثار“ کہا جاتا ہے اور اس صفت کو اپنانے والا خدا اور اس کے رسول کو محبوب ہوتا ہے وہ بے حد و حساب اجر و ثواب کے علاوہ اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرتا ہے جیسا کہ اگلے اوراق میں آنے والی آیات اور احادیث سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا لہذا جو شخص اپنا عضو دے کر اپنے بھائی کی جان بچا رہا ہے وہ ایثار جیسی اعلیٰ صفت سے متصف ہو کر ”رضائے الہی“ کی عظیم ترین نعمت سے سرفراز ہو رہا ہے یہ وہ دولت اور نعمت اس کو حاصل ہو رہی ہے جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں، دولتیں اور فائدے ہچ ہیں، ایسی لازوال نعمت اور ابدی فائدہ اور دائمی نفع حاصل کرنے والے کے لیے یہ

کہہ دینا کہ اس کو کوئی فائدہ اور نفع نہیں بڑی تعجب خیز بات ہے آپ کہتے ہیں اس کو بھاری نقصان ہے میں کہتا ہوں اس کا اتنا بھاری اجر اور ثواب ہے کہ کل قیامت کے دن جب نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گا تو اس وقت یہ ایک عمل اس کے نیکیوں کے پلہ کو بھاری کر کے اس کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا جیسا کہ آئندہ اوراق میں حدیث ذکر کی جائے گی کہ ایک کتے کی جان بچانے کی وجہ سے ایک گنہگار عورت کی نجات ہو گئی تو پھر اشرف المخلوقات اور وہ بھی ایک (مسلمان) نبی کے امتی کی جان بچانے والا کیوں نہ بخشا جائے گا کیا دین و دنیا میں اس سے بڑا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے.....؟

مسئلہ کی اہمیت

آئیے ذرا قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کسی کی جان بچانے کی کیا اہمیت ہے اور بچانے والے کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور کسی کی جان نہ بچانا کتنا برا فعل ہے، گردہ دے کر کسی کی زندگی بچانے، اس کو سکھ اور آرام پہنچانے کی خاطر خود تکلیف برداشت کرنے والا خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں کتنا محبوب ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا مبغوض ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکے کہ اس اہم مسئلہ کو اسلام میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔

قرآن کی روشنی میں

۱۔ ارشاد پروردگار ہے.....

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

خَصَاصَةٌ﴾

(بارہ نمبر ۲۸ سورہ حشر آیت نمبر ۹)

ترجمہ :- اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں

اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی مدح و ستائش کی جارہی ہے جو دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے ہیں جو خود تکلیف اٹھا کر اپنے بھائیوں کو راحت اور آرام پہنچاتے ہیں، معلوم ہوا کہ گردہ جیسی چیز کی آدمی کو شدید حاجت ہوتی ہے جو لوگ اس کو بھی اپنے بھائیوں پر قربان کر دیتے ہیں وہ اس آیت کے بموجب اللہ کے نزدیک پسندیدہ بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف فرما رہا ہے جو ایسی ضروری اہم اور محبوب چیز بھی اپنے دوسرے بھائیوں کو دے دیتے ہیں اور اپنے نفسوں پر دوسروں کو ایسی چیزوں میں ترجیح دیتے ہیں جس کی ان کے نفسوں کو اور ان کی اپنی جانوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی رو سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائق تحسین اور قابل صد تعریف ٹھہرے جو اپنے بھائی کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اس کی زندگی کو بچاتے ہوئے اپنا گردہ جس کی ان کو شدید حاجت ہوتی ہے وہ اپنے ضرورت مند بھائی کو عطیہ یا وصیت کر دیتے ہیں وہ اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر اپنے بھائی کو ترجیح دے کر اللہ کے محبوب اور پیارے بن جاتے ہیں۔

۲۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا....

﴿وَ اَنَا لَكُمْ ناصح امین﴾

(پارہ نمبر ۸ سورہ اعراف آیت ۶۸)

یعنی آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام آدمیوں کے ساتھ ”خیر خواہی“ کرنا یہ کار انبیاء ہے اور بہت اجر و ثواب کا کام ہے، ذرا اندازہ کیجئے کہ کسی کی زندگی بچانے اور اس کی تاریک زندگی کو روشن کرنے سے زیادہ اس کے ساتھ اور خیر خواہی کیا ہو سکتی ہے لہذا جو شخص کسی اپنے مسلمان بھائی کو گردہ دے کر یا ان کی وصیت کر کے یہ عظیم خیر خواہی کا کام کرتا ہے وہ کس قدر اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرے گا اور خیر خواہی جیسے کار انبیاء کرنے کے باعث کس قدر رب کا قرب حاصل کرے گا اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.....

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ
فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا
أَحْيَى النَّاسَ جَمِيعًا﴾

(پارہ ۶، سورہ مائدہ، آیت ۳۲)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین
میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور
جس نے ایک جان کو جلایا اس نے گویا سب لوگوں کو
جلایا۔

اس آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں ہے.....

و قَالَ مُجَاهِدٌ فِي رَوَايَةٍ وَ مَنْ أَحْيَاهَا أَيْ
أَنْجَاهَا مِنْ غَرَقٍ أَوْ حَرَقٍ أَوْ هَلَكَةٍ۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰)

یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ”وَمَنْ أَحْيَاهَا“ کے
معنی یہ ہیں کہ کسی آدمی نے کسی کو غرق ہونے سے یا
جلنے سے یا کسی بھی قسم کی ہلاکت سے بچالیا تو گویا
اس نے ساری انسانیت کو بچالیا۔

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں
فرمایا....

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا
زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل
کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا تو اس نے گویا
سب لوگوں کو جلایا

حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا...

جس نے بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کی
سزاء کے بغیر ناحق کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے قتل
کر دیا سب لوگوں کو، جس نے اسے بچالیا تو گویا اس
نے بچالیا سب لوگوں کو۔

مولانا احمد علی لاہوری اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں.....

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں
فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا
اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کو
زندگی بخشی اس نے تو گویا تمام انسانوں کو زندگی
بخشی۔

ذرا غور فرمائیے کہ اسلام اور قرآن کی نظر میں ایک انسانی جان کی کس قدر اہمیت اور
قدرو قیمت ہے کہ ایک جان کا بچانا پوری انسانیت کا بچانا، ایک کو زندگی بخشنا پوری نوع انسانی کو
زندگی بخشنا اور ایک کو جلانا پوری نسل انسانیت کو جلانا شمار کیا جا رہا ہے اور ایک کو نہ بچا کر
ہلاک کرنا پوری انسانیت کو ہلاک کرنا شمار کیا جا رہا ہے، اصل میں بتانا یہ مقصد ہے کہ انسانی جان
بڑی قیمتی چیز ہے اگر تم کسی انسانی جان کو بچانے کی قدرت رکھتے ہو تو اس اہم معاملہ میں ہرگز
تساهل نہ کرنا اس کی زندگی بچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھنا اس کو ہر چیز پر فوقیت دینا یہ تمام
فرضوں میں سب سے اہم فرض ہے۔

اس واضح آیہ مبارکہ کے باوجود جو مفتیان کرام یہ فرماتے ہیں کہ نہیں...! جو شخص
مرتا ہے تو اس کو مرنے دو لیکن گردہ لگا کر اس کو نہ بچاؤ اس کو زندگی نہ بخشو وہ نہ صرف یہ کہ
اس آیہ مبارکہ کا صریح انکار کر رہے ہیں بلکہ اس آیہ میں ارشاد رب العزت کے بموجب وہ
ساری انسانیت کے قاتل ہیں.....!

حدیث کی روشنی میں

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا.....

عن ابی رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ
عنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
الدین النصیحة۔

(صحیح مسلم)

حضرت ابی رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ تعالیٰ
عنه سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

یعنی لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا دین کی اساس اور بنیاد ہے اس حدیث مبارک کی
روشنی میں جو اپنے اعضاء دے کے اپنے بھائی کی جان بچا کر خیر خواہی کی ایک مثال قائم کرتا ہے
وہ درحقیقت دین کی اساس اور بنیاد کو مستحکم کر رہا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور ان کا بھلا چاہنے کی کتنی اہمیت ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام سے اس پر بیعت لی یعنی ان سے
ہاتھ پکڑ کر عہد لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی کرنا چنانچہ حدیث مبارک میں ہے.....

عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنه قال
بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی
اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ والنصح لكل
مسلم۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

لہذا اپنے اعضاء دیکر اپنے مسلمان بھائی کی جان بچانا اپنے نبی سے کیئے ہوئے عہد کو نبھانا ہے۔

۳۔ ایک اور حدیث ملاحظہ ہو.....

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا یؤمن
احدکم حتی یحب لائحیہ ما یحب لنفسہ۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم
میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے
مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے
لیے پسند کرتا ہے۔

لہذا اگر کبھی خدا نخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ تمہاری جان کے لالے پڑ جائیں ایسے
وقت میں تم یہ چاہو گے کہ کوئی تمہاری جان بچالے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے
مسلمان بھائی پر ایسا وقت آجائے تو تم اس کی جان بچانے کے لیے دوڑ پڑو۔

اب میں اس حدیث کی روشنی میں اس کے عدم جواز کا فتویٰ دینے والے علماء اور
مفتیان کرام سے پوچھتا ہوں کہ اگر خدا نخواستہ آپ پر یہ وقت آجائے کہ آپ کے گردے
بیکار ہو جائیں آپ اس دنیا میں چند لمحوں کے مہمان ہوں ڈاکٹروں نے جواب دیدیا ہو سب آپ
کی زندگی سے مایوس ہو گئے ہوں آپ کو سورہ یاسین سنائی جا رہی ہو اتنے میں آپ کا کوئی جاننے
والا اپنا ایک گردہ آپ کو دیدے اور اس سے آپ کو دوبارہ زندگی مل جائے تو کیا آپ اس کو
پسند نہیں کریں گے.....؟ اگرچہ اس وقت آپ زبان سے کچھ بھی کہیں لیکن میں یقین
کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت آپ نہایت مسرور اور شاداں ہوں گے اور اپنا گردہ دیکر
آپ کی جان بچانے والے کے آپ صمیم قلب سے ممنون ہوں گے لہذا حدیث بالا کی روشنی

میں جب آپ اپنے لیے یہ چاہتے ہیں کہ کوئی آپ کی زندگی بچائے تو آپ بھی اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچائیے اور بچانے کا مشورہ اور فتویٰ دیجئے اور ایسا کرنا حدیث بالا کی روشنی میں آپ کے کمال ایمان کی دلیل ہوگا۔

۴۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا.....

و عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال
رسول اللہ ﷺ من لا یرحم لا یرحم۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اس حدیث کی رو سے کسی مسلمان بھائی کو آدمی تڑپتا ہوا اور مرتا ہوا دیکھے لیکن اس کو
ذرا رحم نہ آئے اور وہ گردہ یا کوئی عضو دیکر اس کی جان نہ بچائے تو کل اس پر بھی کوئی وقت پڑا
تو کوئی اس پر بھی رحم نہیں کرے گا وہ اگر کسی کے کام نہ آیا تو کل مشکل کے وقت کوئی اس کے
بھی کام نہیں آئے گا۔

۵۔ ارشاد گرامی ہے.....

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان
رسول اللہ ﷺ قال المسلم اخو المسلم لا
یظلمہ و لا یسلمہ من کان فی حاجة اخیه
کان اللہ فی حاجتہ و من فرج عن مسلم
کربة فرّج اللہ عنہ بہا کربة من کرب یوم
القیامۃ و من ستر مسلماً سترہ اللہ یوم
القیامۃ۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرنے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑنے جب تک کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجتیں پوری فرماتا رہتا ہے اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیف دور فرماتا ہے اور جو کوئی مسلمان بھائی کی عیب پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی فرماتا ہے۔

اس حدیث مبارک میں واضح طور پر کسی دکھ اور تکلیف میں پھنسے ہوئے اپنے مسلمان بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی مشکل آسان کرنے کی تکلیف دور کرنے پر رب کے بہت سے انعام و اکرام کی خوشخبریاں سنائی گئی ہے لہذا گروہ کا عطیہ دیکر یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے مسلمانوں کی مشکل کشائی کرنے والے کے لیے عظیم مژدہ جائز ہے یہ نقصان نہیں بلکہ عظیم دینی اور اخروی فوائد کے حصول کا ذریعہ ہے

۶۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں ہونے والی جنگ یرموک کا ایک واقعہ ہمارے دعوے کے ثبوت میں ایک بہت بڑی دلیل ہے واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ کے اختتام پر حضرت شریل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتے پھر رہے تھے کہ آپ نے حضرت حارث بن ہشام کو دیکھا کہ وہ زخموں سے چور ہیں اور جان بلب ہیں آپ نے ان کو پینے کے لیے پانی دیا تاکہ ان کی جان بچ جائے ابھی انہوں نے پانی پینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ قریب سے دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی انہوں نے اسی وقت پانی منہ سے ہٹا دیا حالانکہ وہ پانی پی کر اپنی جان بچا سکتے تھے لیکن انہوں نے فرمایا کہ پہلے میرے اس بھائی کو جا کر پانی پلاؤ یہ زخمی حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے صحابی تھے جو زخموں سے چور اس جہاں میں چند لمحوں

کے مہمان تھے حضرت شریحیل نے پانی ان کی طرف آگے بڑھایا تاکہ یہ پی کر اپنی جان بچالیں ابھی انہوں نے پانی پینا ہی چاہا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کراہنے کی آواز آگئی اس آواز کے آتے ہی حضرت عکرمہ نے پانی پی کر اپنی جان نہیں بچائی بلکہ بغیر پیئے پانی اپنے منہ سے ہٹا دیا اور فرمایا پہلے میرے بھائی کو پلاؤ تاکہ اس کی جان بچ جائے چنانچہ جب حضرت شریحیل وہ پانی لے کر حضرت سہیل کے پاس گئے تو وہ اس وقت جام شہادت نوش فرما چکے تھے پھر وہ اس پانی کو لے کر واپس حضرت عکرمہ کے پاس آئے تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے پھر وہ اسی پانی کو لیکر پہلے والے زخمی حضرت حارث کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی روح بھی نفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

الغرض اسلام کے ان تین عظیم سپوتوں نے ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے یہ سبق دے دیا کہ اپنے بھائی کی زندگی کی خاطر اپنی زندگی کو قربان کر دینا یہ ایثار کا بڑا بلند مقام اور محبوبیت کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسلام کا زریں سبق ہے۔

اب وہ مفتیان کرام ذرا غور فرمائیں جو اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچانے کے لیے ایک گروہ دینے پر بھی حرمت کے فتوے لگا رہے ہیں جس میں دینے والے کا کوئی خاص نقصان بھی نہیں ہوتا جب کہ صحابہ کا طریقہ ان کی سنت اور ان کا ”عملی فتویٰ“ یہ ہے کہ اپنی جان دیکر بھی اپنے بھائی کی زندگی بچتی ہے تو اپنے بھائی کی خاطر اپنی جان دینے سے بھی گریز نہ کرو۔

ذرا غور فرمائیں کہ جب بھائی کی خاطر اپنی جان دینے میں کوئی حرج نہیں تو گروہ دینے میں کیا حرج ہے.....؟ اور جو مفتیان کرام گروہ یا دل دیکر اپنے بھائی کی جان بچانے کو حرام کہتے ہیں وہ اب یہاں کیا فتویٰ ارشاد فرمائیں گے.....؟ کیا یہ صحابہ کرام جنہوں نے اپنے بھائیوں کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے ایثار کی ایسی مثال قائم کی ہے جو تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے چمک رہی ہے اور جس کو بیسیوں علماء اور محققین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر کے اسلام کی عظمت کو اس واقعہ کے ذریعہ آشکار کیا ہے ان مفتیان کرام کے فتوے کی رو سے اپنی جان بچانے کا فرض ادا نہ کر کے اپنے بھائی کے لیے اپنی جان دینے کے ”حرام فعل“ کا ارتکاب کر کے معاذ اللہ کیا یہ صحابہ کرام حرام کی موت مرے.....؟ معاذ اللہ

۷۔۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے.....

لزوال الدنيا اھون عند الله من قتل رجل
مسلم۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۴۷)

ترجمہ :- بیشک دنیا کا نیست و نابود ہو جانا اللہ تعالیٰ کے
نزدیک زیادہ آسان ہے اس سے کہ کسی مسلمان کو
قتل کر دیا جائے۔

اس حدیث مبارک نے ایک مسلمان کی جان اور زندگی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور
دین اسلام میں جو اہمیت ہے اس کو بیان کر دیا کہ ساری روئے زمین اپنی تمام تر عظمتوں کے
ساتھ ایک طرف اور ایک ادنیٰ سے مسلمان کی جان ایک طرف پھر بھی یہ ساری زمین ایک
مسلمان کی جان کے مقابلہ میں کچھ نہیں یہ خدا کا فیصلہ ہے اور مفتی کا فیصلہ یہ ہے کہ نہیں !
آدمی کی جان سے زیادہ ایک آدمی کا گروہ قیمتی ہے جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن کسی کا گروہ
ہرگز نہیں لیا جاسکتا۔

۸۔۔ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے.....

قال رسول الله ﷺ غفرا لمرأة مومستہ مرت
بكلب علی راس رکی يلہث کاد يقتله
العطش فنزعت خفها فاوثقتہ بخمارها
فنزعت له من الماء فغفر له بذالك قيل ان لنا
فی البها ئم اجرا قال فی کل ذات کبد
رطبة اجر۔

(مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ ص ۲۸ بحوالہ بخاری و مسلم)

ترجمہ :- ایک بدکار عورت صرف اس لیے بخش

دی گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری تھی جو ایک کنوئیں کے پاس کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا اور بالکل مرنے کے قریب تھا، اس عورت نے اپنا موزا اتارا اور اس کو اپنے دوپٹے سے باندھ کر اس کے لیے اس سے پانی نکالا بس اس کی وجہ سے وہ بخش دی گئی، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے پر ہمیں اجر ملے گا.....؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر تر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ثواب ہے۔

غور فرمائیے ایک کتا جو مرنے کے قریب ہو اس کی اگر کوئی جان بچالے تو جنت میں چلا جائے تو جو اشرف المخلوقات میں سے کسی کی جان بچائے گا وہ کیوں نہ جنت کا اعلیٰ مرتبہ پائے گا.....؟ پھر صحابہ کرام کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال وجواب نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے تو آدمی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے مشکل وقت میں گردہ یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے اس کی مدد کرنے کا کتنا بڑا ثواب ہو گا؟ یہ بیان سے باہر ہے۔

۹۔۔ ایک اور فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم....

عذبت امرأة في هرة أمسكتها حتى ماتت من
الجوع فلم تكن تطعمها ولا ترسلها فتاكل
من خشاش الارض

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ص ۲۸، بحوالہ بخاری
ومسلم)

سے عذاب ہوا جس کو اس نے باندھ رکھا تھا یہاں
تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی اس عورت نے نہ
اس کو کچھ کھلایا اور نہ ہی اس کو آزاد چھوڑا کہ وہ
خود زمین کے جانور کھاتی۔

اس حدیث مبارک میں دعوت فکر ہے ان مفتیان کرام کے لیے جو اعضاء کے عطیہ
دینے کی حرمت کے فتوے لگا کر جان بلب مریضوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں اور
ان کو تڑپا تڑپا کر رہے ہیں وہ غور کریں اور اس وعید سے ڈریں کہ جب ایک بلی کے مارنے پر
عذاب ہو سکتا ہے تو کسی آدمی کے مارنے پر کتنا عذاب ہو گا....؟

۱۰۔ ایک اور ایمان افروز رسول نشان کا فرمان عالیشان.....

تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ وَ أَمْرُكَ
بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَ نَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ
وَ إِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ
صَدَقَةٌ وَ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيَّ الْبَصِيرَ لَكَ
صَدَقَةٌ وَ إِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشُّوكَ وَالْعِظَمَ عَنِ
الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ إِفْرَاقُكَ مِنْ دَلُوكَ فِي
دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ۔

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ص ۲۸ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ :- تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکراتا

صدقہ ہے اور تیرا کسی اچھے کام کا حکم کرنا بھی صدقہ

ہے اور تیرا کسی برے کام سے منع کرنا بھی صدقہ ہے

اور تیرا کسی کو بے نشان جگہ پر راہ بتلادینا بھی صدقہ

ہے اور تیرا کسی اندھے یا کم نظر آئے والی کی مدد کرنا

بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی راستہ سے پتھر اور کانٹا اور

ہڈی کا ہٹا دینا بھی تیرے لیے صدقہ ہے اور تیرا اپنے

ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا بھی تیرے لیے
صدقہ ہے۔

اس حدیث مبارک میں ”ونصرک الرجل الردی البصر“ (کسی اندھے یا کم نظر آنے والے کی مدد کرنا) کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اندھے کو راستہ دکھا دیا اس کا ہاتھ پکڑ کے لے جاؤ بلکہ ایک عام لفظ ”نصرک“ فرمایا جس کے معنی میں اس کی مدد کرنا اس دانائے کل ختم الرسل کو سب کچھ پتہ تھا کہ چودھویں صدی کے اندر سرجری اتنی ترقی کر جائے گی کہ لوگ اپنی آنکھوں کا عطیہ دیکر بھی اپنی نابینائیوں کی مدد کریں گے اس لیے آپ نے ”نصرک“ کا عام لفظ ارشاد فرمایا جس میں راستہ دکھا کر اس کی مدد کرنا بھی آگیا اور آنکھوں کا عطیہ دیکر اس کی مدد کرنا بھی آگیا آپ نے نابیناؤں یا کم نظر آنے والوں کی ہر قسم کی مدد کی تلقین فرما کر اور اس کے ثواب کا ذکر کر کے مخلوق خدا کو آنکھیں عطیہ کرنے کی رغبت بھی دلا دی۔

۱۱۔ سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا.....

لقد رأیت رجلاً يتقلب فی الجنة فی شجرة
قطعها من ظهر الطريق کانت تؤذی الناس۔
(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ ص ۱۶۸، بحوالہ صحیح مسلم)
ترجمہ :- بیشک میں نے ایک شخص کو جنت میں
پھرتے ہوئے دیکھا اس وجہ سے کہ اس نے راستہ
میں سے ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو ایذا
پہنچاتا تھا۔

سبحان اللہ....! راستہ میں درخت سے بندگان خدا کو جو معمولی سی تکلیف ہوتی تھی اس کو دور کرنے والے کے جب سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور وہ جنت میں جاسکتا ہے تو وہ شخص جو نابینا کو آنکھیں عطا کر کے یا بلڈیوریا کے مہلک مرض میں تڑپتے ہوئے جاں بلب

مریض کو گردہ دیکر ان کی سخت ترین اذیت اور تکلیف کو دور کرے گا اس کے کیوں نہ گناہ معاف ہوں گے اور وہ کیوں نہ جنت کی ابدی راحتوں کا مستحق ہوگا۔

کیا یہ ”عقل و نقل“ اور ”روایت و درایت“ کے خلاف بات نہیں کہ ایک کتے کی جان بچانے والا اور ایک لوگوں کی راہ سے درخت ہٹا کر ان کو راحت پہنچانے والا تو جنت میں چلا جائے اور ایک انسان کی جان بچانے والا اس کو سخت ترین ایذا اور کرب سے نجات دینے والا صرف اس جرم میں جہنم میں جائے کہ اس نے کسی کی جان بچا کر کسی مسلمان کو سخت تکلیف سے نجات دیکر ”حرام کام“ کیوں کیا حیرت ہے ان فتوؤں پر۔

عقل کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا عقل

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۱۲۔ دو جہاں کے والی، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

من سر مسلماً بعدی فقد سرنی فی قبری و

من سرنی فی قبری سرہ اللہ تعالیٰ یوم

القیامۃ۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۴۳۲)

ترجمہ :- جس نے میرے بعد کسی مسلمان کو

خوشی پہنچائی اس نے بلا شک و شبہ میری قبر میں مجھے

مسرور کیا اور جس نے میری قبر میں مجھے مسرور کیا اس

کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خوش کر دے گا۔

کتنا بڑا اثر وہ ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے مسلمان بھائی کو چھوٹی چھوٹی خوشیاں پہنچا کر

اپنے رب اور اپنے آقا و مولا سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی

حاصل کر رہے ہیں پھر ان کا تو کہنا ہی کیا جو آنکھیں اور زندگی جیسی عظیم نعمت کسی مجبور کی

جھولی میں ڈال کر اس کے قلب کی بے پناہ فرحت و انبساط کا سامان کرتے ہیں اور اس طرح اللہ

اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بے نہایت رضا اور بے پایاں الطاف و کرم سے

ان جھولیاں کو لیتے ہیں

مانعین کے دلائل کے جوابات

اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز کے قائلین میں حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدد بھی ہیں جو اس کے عدم جواز کے ثبوت کے لیے مسلم شریف کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں.....

دلیل اول

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ساتھی کو سخت تکلیف ہو گئی اور جب وہ تکلیف ان کے برواشت سے باہر ہو گئی تو انہوں نے اپنے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو کاٹ لیا جس کی وجہ سے ان کے دونوں ہاتھوں سے اس قدر خون بہا کہ اس کے باعث ان کا انتقال ہو گیا حضرت طفیل نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی حالت میں ہیں لیکن دونوں ہاتھ ان کے لپٹے ہوئے ہیں حضرت طفیل نے پوچھا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے سبب بخش دیا حضرت طفیل نے جب ہاتھوں کے متعلق پوچھا کہ ان کو کیوں لپیٹا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے حضرت طفیل نے یہ خواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خواب سن کر فرمایا ”اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے“

(صحیح مسلم جلد ایک ص ۷۴)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدد تحریر فرماتے ہیں.....

اس حدیث سے واضح ہوا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں اور ان کو کاٹ نہیں سکتا پورا عضو کاٹنا تو کجا صرف انگلیوں کے جوڑ کاٹنے پر اللہ تعالیٰ ناراض

ہوا اور فرمایا ”لن نصلح منک ما افسلت“ جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے، جو لوگ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اعضاء کو کٹا دیتے ہیں یا مرنے کے بعد کٹ دیئے جانے کی وصیت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آخرت میں ان اعضاء سے محروم کر دیئے جائیں اور ان کا حشر آنکھوں یا دیگر اعضاء کے بغیر ہو۔

(شرح صحیح مسلم، غلام رسول سعیدی، جلد ایک ص

(۸۶۶)

جواب

اس حدیث مبارک سے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں کیوں کہ اس حدیث مبارک کی رو سے وہ صحابی اپنے آرام کی خاطر اور اپنی تکلیف کی نجات کی خاطر اپنے اعضاء کو بگاڑنے اور خود کشی جیسے حرام فعل کے مرتکب ہوئے جس کی حرمت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں جب کہ یہاں ایک انسان اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے بھائی کی تکلیف رفع کرنے کی خاطر بلکہ اس کو زندگی عطاء کرنے کی خاطر ایک ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس میں خود کشی یا ہلاکت تو کجا اس کی زندگی اور صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

وہاں انگلیوں کے قطع سے جان چلی گئی جب کہ یہاں گردے کے قطع کرنے سے نہ جان جاتی ہے نہ صحت جاتی ہے ایسی صورت میں اس حدیث سے پیوند کاری کے عدم جواز پر کیسے استدلال درست ہو سکتا ہے ایک اعضاء کا کٹنا مذموم ہے اور ایک اعضاء کا کٹنا محمود ہے، مذموم وہ ہے جو ہلاکت تک لے جانے والا ہو اور محمود وہ ہے جس میں جان کی ہلاکت نہ ہو، مذموم وہ ہے جو اپنے آرام کے لیے ہو اور محمود وہ ہے جو دوسروں کے آرام کے لیے ہو، تو چوں کہ آجکل اعلیٰ سرجری کے باعث گردہ وغیرہ کے عطیہ دینے والے کی جان جاتی نہیں اور

لینے والے کی جان بچ جاتی ہے لہذا اس کے جواز بلکہ محمود ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس قطع محمود کو قطع مذموم پر قیاس کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں۔

دلیل ثانی

مانعین کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ”ولقد کرّمنا بنی آدم“ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تکریم دی ہے اور یہ کاٹ پیٹ اس کی تکریم اور تعظیم کے خلاف ہے لہذا اضطرار کی حالت میں بھی یعنی اگر کسی کی جان جارہی ہے تو چلی جائے لیکن اس کی جان کو بچانے کے لیے بھی کسی آدمی کے کسی عضو کا کاٹ کر اس لیے نہیں لگایا جاسکتا کہ اس میں آدمیت کی حرمت کی پامالی ہے جو ہرگز جائز نہیں اس پر وہ فتاویٰ قاضی خان کی یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں.....

مضطر لم یجد مיתה و خاف الهلاك
فقال له رجل اقطع ایدی و کلها او قال
اقطع منی قطعة فکلها لایسعه ان یفعل ذالك
و لایصح امره به کما لایصح للمضطر ان
یقطع قطعة من لحم نفسه فیاکل۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ - ص ۴۰۴)

ترجمہ :- کسی شخص کو حالت اضطراز میں کھانے کے لیے مردار بھی نہ ملا اور اسے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور اس سے ایک شخص کئے میرے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھاؤ تو مضطر کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا امر کرنا صحیح ہے جیسا کہ مضطر کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ خود اپنا گوشت کاٹ کر کھالے۔

اسی قسم کی عبارات فتاویٰ ہندیہ، شرح المہذب، المغنی، الشرح الکبیر، الدسوقی علی الشرح

الکبیر اور حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر میں بھی درج ہے۔

اسی طرح مبسوط میں ہے.....

قِيلَ الْاِنتِفَاعُ بِاَجْزَاءِ الْاَدْمَى لَمْ يَجْزِ لِنَجَاسَتِهِ
وَقِيلَ لِكِرَامَتِهِ وَهُوَ الصَّحِيحُ

(مبسوط ج ۱۵ ص ۱۲۵)

ترجمہ :- کہا گیا ہے کہ آدمی کے اجزاء سے
انتفاع ناجائز ہے اس کے نجس ہونے کی وجہ سے اور
بعض کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اس کی کرامت کی وجہ
سے اور یہی قول صحیح ہے۔

مانعین کے نزدیک صرف زندہ ہی نہیں بلکہ مردہ انسان کے اعضاء بھی لینے جائز نہیں
کیوں کہ ان کے نزدیک زندہ اور مردہ کا حکم یکساں ہے اس حدیث کی بناء پر حضور صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا.....

كُسِرَ عِظَامُ الْمَيِّتِ كَكُسْرِهَا حَيًّا

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۴۴)

چنانچہ اس کے عدم جواز کے ایک اور قائل مفتی محمد شفیع صاحب اس کی حرمت پر اسی
دلیل سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں....

اگر انسان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو کہ اس
کی کھال اور بال اور اعضاء کو قطع و برید کر کے
استعمال کیا جائے تو یہ انسانی شرافت و تکریم اور منشاء
تخلیق کائنات کے بالکل منافی ہے اس لیے انسانی
اعضاء کی خرید و فروخت، کاٹ کر اس کو استعمال کرنا
سنگین جرم اور سخت حرام قرار دیا ہے۔

(انسانی اعضاء کی پیوند کاری شریعت اسلامیہ کی روشنی

میں، مفتی محمد شفیع، ص ۳۱)

جواب اول

ملنعنی اس استدلال کے جواب سے پہلے ایک تمہید ہے وہ یہ ہے کہ عرف و عادت کے بعض احکامات زمانہ اور علاقہ کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں چنانچہ ایک چیز کا ایک علاقہ میں حسن کے اندر شمار ہوتا ہے تو اسی چیز کا دوسرے علاقہ کی عرف و عادت کے مطابق قبح میں شمار ہوتا ہے چنانچہ شریعت مطہرہ کے اس اصول کو امام ابو اسحاق شاطبی ایک مثال دیکر سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں.....

والمبتدله منها ما يكون متبدلاً في العادة
من حسن الى قبح و بالعكس مثل كشف
الراس فانه يختلف بحسب البقاع في الواقع
فهو الذي المردات قبيح في البلاد المشرقيه
وغير قبيح في البلاد المغربيه فالحكم الشرعي
يختلف باختلاف ذلك فيكون عند اهل
المشرق قاذحاً في العدالة و عند اهل المغرب
غير قاذح۔

(الرافعات، ج ۲، ص ۲۰۹ - ۲۱۰)

ترجمہ :- بعض چیزیں حسن سے قبح کی طرف اور بعض قبح سے حسن کی طرف تبدیل ہو جاتی ہیں جیسے ننگے سر ہونا کہ مختلف علاقوں کے لحاظ سے اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے کیوں کہ مشرقی ممالک میں ننگے سر ہونا معیوب شمار ہوتا ہے جب کہ مغربی ممالک میں ننگے سر ہونا کوئی معیوب بات نہیں لہذا اس عرف و عادت کے اختلاف کی وجہ سے اس کا حکم بھی مختلف ہو جائے گا یعنی اہل مشرق کے یہاں عدالت میں ننگے

سر ہونا قابل اعتراض کہلائے گا جب کہ اہل م غرب
کے یہاں یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوگی۔

اس تمہید کے بعد اب جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی کی
حرمت اور اس کی تعظیم و تکریم بڑی اہم چیز ہے اور جو امور اس کی تکریم کے خلاف ہوں اور
توہین آمیز ہوں وہ جائز نہیں لیکن تکریم و توہین کے لیے شریعت نے کوئی اصول اور پیمانہ مقرر
نہیں کیا اس کا فیصلہ عرف و عادت کے مطابق ہوگا جب کہ عرف و عادت زمانہ اور علاقہ کے لحاظ
سے بدلتی رہتی ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بے شک پہلے زمانہ میں انسانی اعضاء کی قطع و برید
انسانیت کی توہین شمار ہوتی تھی اور اس کو آدمیت کی حرمت اور اس کی تکریم کے خلاف تصور
کیا جاتا تھا لہذا اس زمانہ میں یہ حرام تھا لیکن آج کے زمانہ میں اپنا عضو کسی کو عطیہ کرنا کوئی
معیوب بات نہ رہی بلکہ اس کے برعکس فضیلت اور عظمت کی بات شمار ہوتی ہے کہ فلاں
وزیر صاحب نے یا فلاں اہم شخصیت نے اپنی آنکھ عطیہ کر دی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیسا
عظیم انسان ہے جس نے دوسروں کی بھلائی کے لیے یہ وصیت کی ہے الغرض چوں کہ زمانہ کے
تغیر سے یہ عرف و عادت متغیر ہو گئی ہے لہذا اس کا حکم بھی بدل جائے گا پہلے بے شک یہی فعل
تکریم آدمیت کے منافی ہونے کے باعث حرام تھا لیکن آج کے دور میں تکریم آدمیت کا
موجب ہونے کے باعث جائز ہو جائے گا۔

جواب ثانی

ملانہن کے اسی استدلال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بے شک تکریم انسانیت اور حرمت
آدمیت بڑی اہم چیز ہے لیکن شریعت مطہرہ میں انسانی جان بچانے سے زیادہ اس کی اہمیت
نہیں دیکھتے اس پر سورہ مائدہ کی وہ آیت شاہد ہے جو اس فقیر نے پہلے نقل کی ہے جس میں رب
کائنات نے صرف ایک جان کے ضائع ہونے کو ساری انسانیت کا ضیاع اور ایک جان کے
بچانے کو ساری انسانیت کا بچانا فرمایا ہے یعنی یہ بتا دیا کہ تم ایک جان کو ضائع کر کے ساری
انسانیت کو ختم کر رہے ہو تمام انسانوں کو ضائع کر رہے ہو جب کوئی زبا ہی نہیں تو اب تکریم

کس کی.....؟ کیوں کہ تکریم تو ایک صفت ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوگی جب انسان ہی ختم ہو گئے، ایک کو نہ بچا کر اس کو مار کر تم نے ساری انسانیت کو نیست و نابود کر دیا تو اب تکریم اور تحریم کس کی کرو گے.....؟ تکریم کا تو بعد میں نمبر آئے گا پہلے موصوف کو تو باقی رکھو تاکہ صفت کا بعد میں اس کے ساتھ اتصاف ہو سکے۔

جو مفتیان کرام ”تکریم“ کو تو اہمیت دے رہے ہیں لیکن زندگی بچانے کو جو اصل ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص بغیر وضو کے نماز شروع کر دے اور ایک مفتی صاحب یہ جانتے ہوئے کہ یہ بے وضو نماز پڑھ رہا ہے اس کو تلقین کریں کہ میاں رکوع و سجود اچھی طرح کرو، اپنی اس نماز میں خشوع و خضوع بھی پیدا کرو، طمانیت اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو..... تو ان سے یہی عرض کیا جائے گا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں ایک ایسی چیز کے حسن اور نکھار کی آپ تلقین فرما رہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں ہے کیوں کہ بغیر وضو کے نماز ہی نہیں ہوتی جب نماز ہی نہیں ہے تو اس کے حسن و نکھار اور اس کی تحریم و تعظیم کی بات کرنا لایعنی اور مہمل ہے پہلے اس کو تلقین کیجئے کہ وضو کر کے نماز پڑھے، جب نماز کا وجود قائم ہو جائے پھر اس کے نکھار اور اس کے نوک پلک سنوارنے کی بات کیجئے۔ اسی طرح یہاں بھی پہلے ایک انسان کو بچا کر ساری انسانیت کو بچانے کی بات کیجئے پھر اس کی تکریم و تحریم کی بات آپ کو زیب دے گی ورنہ ایک آدمی کی جان نہ بچا کر اس کو ختم کر کے آپ نے قرآن کے ارشاد کے مطابق جب ساری انسانیت ہی کو ختم کر دیا اب ”تکریم“ کس کی کرائیں گے۔

(ب) شریعت مطہرہ میں حرمت آدمیت سے زیادہ انسانی جان کے بچانے کی اہمیت ہے، فقیر کے اس دعوے پر مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے علاوہ بعض فقہی جزئیات بھی اس کے مسکد ہے، دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہے تو اس بچہ کی زندگی بچانے کی خاطر فقہاء نے عورت کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دی ہے چنانچہ عبارت ملاحظہ ہو.....

لو ان حاملا ماتت فی بطنها ولد

يضطرب فان كان غالب الظن انه ولد حي
و هو في مدة يعيش غالباً فانه يشق بطنها
لان فيه احياء الأدمى فترك تعظيم الأدمى
اهون من مباشرة سبب الموت۔

(تحفة الفقهاء جلد ۳ ص ۳۲۳)

ترجمہ :- اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے
پیٹ میں کوئی بچہ حرکت کرتا ہو اور گمان غالب یہ
ہے کہ یہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں
عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے تو اس حاملہ کے پیٹ کو
چاک کیا جائے گا اس لیے کہ اس میں ایک آدمی کو
زندگی بخشا ہے، پس آدمی کی تعظیم کو چھوڑ دینا آسان
ہے اس سے کہ کسی زندہ کی موت کا سامان کیا
جائے۔

یہی مسئلہ فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں اس طرح بیان کیا گیا.....

حامل ماتت و ولدھا حی يضطرب شق بطنھا

اس ہی جزیئہ پر فقہ حنفی کی معتبر کتاب البحر الرائق میں یوں دلیل دی گئی...

لان ذالك تسبب في احياء نفس محترمة بترك
تعظيم الميت۔

(درمختار جلد ایک ص ۸۴۰)

کیونکہ یہاں تعظیم میت کا ترک ایک محترم جان کے
احیاء اور بقاء کا سبب بن رہا ہے۔

غور فرمائیں مفتیان کرام جو احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق احادیث نقل کر کے اعضاء کے عطیہ دینے کی حرمت کو ثابت کرتے ہیں کیا اتنے بڑے بڑے فقہاء کی نظر میں وہ احادیث نہیں تھیں.....؟ یقیناً تھیں اور ان کو آدمیت اور میت کے آداب اور احترام کا اچھی طرح پتہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ حاملہ کے پیٹ کو چاک کر کے میت کی بے حرمتی کو جائز قرار دے رہے ہیں صرف اس لیے کہ شریعت مطہرہ میں آدمی اور میت کی حرمت سے زیادہ انسانی جان کو اہمیت حاصل ہے۔

لہذا اس فقہی مسئلہ کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ کسی کی جان بچانے کے لیے اعضاء کا عطیہ دینے یا وصیت کرنے میں آجکل اگرچہ یہ کوئی معیوب اور تحریم آدمیت کے خلاف بات شمار نہیں ہوتی لیکن اگر بالفرض کوئی اس کو احترام آدمیت کے خلاف تصور کرتا ہے تب بھی کسی کی جان بچانے کی خاطر ایسا کرنا جائز اور درست بلکہ کارِ ثواب ہو گا اس وقت احترام میت یا احترام آدمیت کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ سب کو چھوڑ کر ایک جان بچانے کی کوشش کی جائے گی کیوں کہ حرمت آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان بچانا زیادہ اہم ہے۔

(ج) ایک اور فقہی جزیہ ہے کہ کوئی مضطر انسان کسی مردہ آدمی کو کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں.....؟ مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا جب کہ شوافع اور بعض احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ کھا سکتا ہے کیوں کہ زندہ کی حرمت مردہ سے زیادہ ہے.....

و قال الشافعی و بعض الحنفیۃ یباح و هو

اولی لان حرمة الحی اعظم

(المغنی جلد ۹ ص ۳۳۵)

احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق تمام آیات اور احادیث کے باوجود علماء کا ایک جان بچانے کی خاطر مردہ آدمی کو کھانے کی اجازت دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شریعت میں آدمی کی تحریم و تکریم سے زیادہ انسانی جان کی زیادہ اہمیت ہے لہذا اعضاء کی پیوند کاری کے مسئلہ میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(د) فقہاء نے بھی اس مسئلہ پر اتفاق کیا ہے کہ اگر کسی مضطر کو کھانا یا شراب ملے

جائے جس کو کسی جرم کی وجہ سے شرعی طور پر قتل کی سزا سنائی گئی ہو تو وہ مضطر ایسے شخص کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔

(المغنی جلد ۹ ص ۳۳۵)

یہ جزیئہ بھی ہمارے اس دعوے کی واضح دلیل ہے کہ کسی کی جان بچانے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اس کے مقابلہ میں ”حرمت آدمیت“ کا خیال نہیں کیا جائے گا حرمت آدمیت کا مرتبہ بعد میں ہے پہلا مرتبہ انسانی زندگی کے بچانے کا ہے۔

لہذا وہ شخص جس کی زندگی کسی قتل کی سزا کے باعث ختم ہو رہی ہے اس سے اگر کسی دوسرے انسان کو زندگی مل جاتی ہے تو اس کے جسم سے انتفاع جائز ہو گا اور اب حرمت آدمیت کا کوئی خیال نہیں کیا جائے گا۔

(ر) آدمیت کی حرمت کی تو اسلام میں یہ حیثیت ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نکل لیا اور وہ آدمی مر گیا تو بعض حالات میں اس شخص کا موتی دلوانے کے لیے بھی اس ”میت“ کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے.....

و لو بلع مال غیرہ و مات هل یشق قولان
الاولی نعم فتح

(درمختار جلد ایک ص ۸۳۰)

ترجمہ :- اور اگر کسی شخص نے کسی کا مال نکل لیا اور پھر مر گیا تو کیا اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا.....؟
اس میں دو قول ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ چاک کیا جائے گا فتح القدیر۔

ذرا غور فرمائیے کہ فقہاء کی نظر میں احترام آدمیت اور احترام میت کے مقابلہ میں ایک انسان کے مالی حق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے تو پھر جہاں احترام آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان جیسی چیز آجائے جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی بھلا ایسی قیمتی اور اہم چیز کو کیسے نظر

انداز کر دیا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں احترام آدمیت اور احترام میت کو کیسے ترجیح دی جاسکے گی ماننا پڑے گا کہ انسانی جان کی اہمیت احترام آدمیت اور احترام میت وغیرہ سے کہیں زیادہ ہے اور اس پر کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں (ج ۲ ص ۱۰۲) بحر الرائق نے (ج ۸ ص ۲۰۵) فتاویٰ قاضی خان (ج ۳ ص ۳۱۱) اور علامہ ابن عابدین نے شامی میں (ج ۱ ص ۸۴۰) بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(س) شریعت اسلامیہ میں ”انسانی جان“ کی کتنی قدر و قیمت اور کس قدر اس کو اہمیت حاصل ہے.....؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ کلام اللہ یعنی قرآن پاک کی عظمت و حرمت عام آدمی کی عظمت و حرمت سے کہیں زیادہ ہے جس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جنبی کو اس کا پڑھنا اور بے وضو آدمی کو اس کا ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں لیکن اگر اس کے مقابلہ میں انسانی جان کے بچانے کی بات آجائے تو ترجیح انسانی جان ہی کو دی جائے گی اس سلسلہ میں فقہاء کے بیان کردہ اس مسئلہ کو ملاحظہ فرمائیے.....

والذی رعف فلا یرقاء دمہ فاراد ان
یکتب بدمہ علی جہتہ شیاً من القرآن قال
ابوبکر یجوز و قیل لہ لو کتب لہ بالبول قال
لو کان بہ شفاء لا بأس بہ۔

(خلاصہ الفتاویٰ جلد ۴ ص ۱۲۱)

ترجمہ :- اور جس کو نکسیر آئے اور خون بند نہ ہوتا ہو تو اگر وہ اپنے خون سے اپنی پیشانی پر قرآن سے کچھ لکھنا چاہے تو ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے ان سے پوچھا گیا کہ اگر پیشاب سے قرآن کا کچھ حصہ لکھا جائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اگر اس

میں اس کی شفاء ہے تو ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اللہ اکبر!! فقہاء نے اس جزئیہ کے ذریعہ بتادیا کہ دین اسلام میں ایک جان کے بچانے کی بڑی اہمیت ہے اس کے سامنے آدمی کی حرمت تو کیا اگر قرآن جیسی عظیم اللہ کی کتاب کی عظمت و حرمت کو بھی نظر انداز کرنا پڑا تو کر لیں گے لیکن انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیں گے انسانی جان کو ہر حال میں بچانے کی کوشش کریں گے۔

قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء تو انسانی جان کو اتنی اہمیت اور وقعت دیں لیکن آج کے بعض مفتیوں کی نظر میں یہ انسانی جان اتنی بے قیمت اور اتنی بے وقعت ہے کہ ایک آدمی سک سک کر جان دے رہا ہے لیکن بغیر کسی نقصان کے اس کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود صرف احترام آدمیت اور احترام میت کے باعث کسی کو اس کی مدد کی اجازت نہیں اس تڑپتے ہوئے انسان کی بے کسی اور بے بسی کا کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہو لیکن قدرت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرو اس کی زندگی نہ بچاؤ اس کو اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے دو۔۔۔۔۔ یہ کون سا اسلام ہے اور کہاں کی شریعت ہے۔۔۔۔۔؟ یہ انتہائی سنگدلی، بے رحمی اور سفاکی ہے اس کو اسلامی حکم کہنا اسلام کی توہین اور دین کی حرمت کی پامالی ہے یہ احترام انسانیت نہیں بلکہ تذلیل انسانیت ہے یہ تحریم آدمیت نہیں بلکہ تحقیر آدمیت ہے۔

جواب ثالث

مانعین نے جن بعض فقہی جزئیات سے استدلال کیا ہے مثلاً یہ کہ فقہاء کا قول ہے کہ مضطر اپنی جان بچانے کے لیے کسی دوسرے آدمی کا خود اپنے جسم کے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر نہیں کھا سکتا یہ اس کے لیے جائز نہیں اس سے ثابت ہوا کہ دوسرے کے اعضاء لینا اس سے انتفاع اور کسی کا اپنے اعضاء عطیہ کرنا یا وصیت کرنا جائز نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض فقہاء کے ان ارشادات سے آپ کا استدلال کر کے اعضاء کے عطیہ کی حرمت کا قول کرنا درست نہیں کیوں کہ یہاں فقہاء نے اپنی جان بچانے کے لیے

اپنا یا دوسرے کا گوشت کاٹ کر کھانے کی اس لیے اجازت نہیں دی کہ خون کے زیادہ بہہ جانے کے باعث اس کی اپنی یا دوسرے کی موت واقع ہو سکتی ہے تو گویا یہاں جان بچ نہیں رہی تھی بلکہ اس کی اپنی یا دوسرے کی جان جانے کا قوی اندیشہ تھا چنانچہ علامہ ابن قدامہ اس کی یہی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں.....

ولنا ان اكله من نفسه ربما قتله فيكون قاتلاً
نفسه و لا يتيقن حصول البقاء باكله۔

(المغنی جلد ایک ص ۲۳۵)

ترجمہ :- اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آدمی کا اپنے جسم میں سے کسی حصہ کو کھانا بعض دفعہ اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے اس طرح وہ خود اپنا قاتل ہو جائے گا اور اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی نہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اجازت نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کی جان بچنے کا نہیں بلکہ جان ضائع ہونے کا اندیشہ تھا لہذا جہاں یہ اندیشہ نہ ہو وہاں یہ جائز ہو گا جیسے آجکل سرجری نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ کسی عضو کی منتقلی میں کسی ہلاکت یا نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا لہذا یہ صورت اس مندرجہ بالا فقہی جزئیہ کے تحت نہیں آئے گی اور نہ فقہاء کے اس قول پر اس کو قیاس کرتے ہوئے حرام قرار دیا جائے گا کیوں کہ فقہاء کے اس قول اور جزئیہ میں ”جان کا نقصان“ ہے جب کہ ہمارے مسئلہ میں دونوں جانوں کا ”حفظان“ ہے۔

دلیل ثالث

ملعن کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ”مشلہ“ سے منع فرمایا ہے اور اس میں مشلہ پایا جاتا ہے لہذا یہ حرام ہے چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدد اس دلیل کو کتب لغت کی روشنی میں تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر یوں استدلال فرماتے ہیں.....

علامہ ابن منظور افریقی ”مثلہ“ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا اور مثلہ زدہ جانوروں کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور مثلہ یہ ہے کہ جانوروں کو کھڑا کر کے اس پر تیر اندازی کی جائے یا زندہ جانوروں کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں حدیث میں ہے آپ نے مثلہ سے منع فرمایا کہا جاتا ہے میں نے حیوان کو مثلہ کیا جب کہ اس کے اعضاء کاٹ ڈالے جائیں اور وہ بدہیت ہو جائے

مثلت بالقتیل اذا جددت انفه و اذنه او مذاکره او شیاً من اطرافه اور کہا جاتا ہے میں نے مقتول کو مثلہ کرویا جب کہ مقتول کے ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹ دیئے جائیں اور اس کا اسم مثلہ ہے علامہ ابن کثیر اور علامہ زبیدی نے بھی مثلہ کا یہی معنی بیان کیا ہے اور اس میں دشمن کو ہلاک کرنے یا اس کی تذلیل کی قید نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ ڈالنا یہ مثلہ ہے اور اسی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور پیوند کاری کے لیے جس زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، جلد ایک)

جواب اول

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مشلہ کی تعریف دنیا کی ہر عربی لغت میں یہی ملے گی کہ ”اعضاء کا کاٹنا“ لیکن احادیث مبارکہ میں جس ”انسانی مشلہ“ سے ممانعت کی گئی ہے اس میں یہ معنی یقیناً شامل ہیں کہ کسی کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کو مسخ کرنا کیوں کہ عرب میں اس وقت دشمنی نکالنے کا یہی وحشیانہ طریقہ رائج تھا جس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا لہذا جس پس منظر میں یہ ممانعت ہوئی اس کو اس ممانعت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مثال دے کر اس کی وضاحت کرتا ہوں.....

مثال

جیسے قرآن پاک میں ارشاد ہے.....

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا

يُضُرُّكَ﴾

(سورہ یونس پارہ ۱۱ آیت ۱۰۶)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر جلالین نے ”تدع“ کے معنی ”تعبد“ کے لکھے ہیں حالانکہ کسی عربی لغت میں تدع کے معنی تعبد کے نہیں اس کا اتباع کرتے ہوئے حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کا ترجمہ یہ لکھا.....

”اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا“

حالانکہ ”تدع“ کے معنی بندگی کے کسی لغت میں درج نہیں لیکن یہاں علماء کرام اور مفسرین عظام اس آیہ مبارکہ کے پس منظر کو دیکھتے ہوئے اس کے معنی بیان فرما رہے ہیں اور اس کا پس منظر یہ تھا کہ عرب کے مشرکین بتوں کو اپنا معبود اور خدا سمجھ کر پکارا کرتے تھے اور اس طرح کسی کو پکارنا یہ عبادت ہو جاتا ہے اس لیے مفسرین نے اب ”لا تدع“ کے صرف معنی یہ نہیں کیئے کہ کسی کو نہ پکارو کیوں کہ اگر اس کو مطلق رکھتے ہوئے ہر قسم کے پکارنے کی

ممانعت ہو جائے اور کسی قسم کا پکارنے والا بھی مشرک ٹھہرے تو دنیا میں پھر کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا گھر میں صبح سے شام تک کبھی اپنی ماں کو کبھی اپنی بیوی کو کبھی بچوں کو کبھی دوست احباب کو نہ معلوم کس کس کو آدمی پکارتا ہے کیا یہ سب مشرک ہو گیا...؟ ہرگز ایسا نہیں اس لیے محقق علماء نے اس کے مطلقاً پکارنے کے یہاں لغوی معنی نہیں کیئے بلکہ اس آیت کے پس منظر کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو بھی اس میں شامل کر کے تعبد کے یہ معنی کیئے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو مت پوجو۔

اسی طرح یہاں بھی انسانی مثلہ کے لغوی معنی اگرچہ عام ہوں لیکن حدیث میں جب انسانی مثلہ سے ممانعت آئے گی تو اس میں اس ممانعت کے پس منظر کو ضرور ملحوظ رکھا جائے گا اور اس کا مفہوم بیان کرتے وقت اس کو ضرور شامل کیا جائے گا لہذا انسانی مثلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کو قتل کر کے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ منع ہے اور حرام ہے۔

ہمارے اس جواب کی تائید خود علامہ سعیدی صاحب کی لسان العرب کے حوالہ سے بیان کردہ عبارت سے ہوتی ہے جس میں انسانی مثلہ کے لیے مطلقاً کسی آدمی (خواہ زندہ ہو یا مردہ) کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ نہیں کہا گیا بلکہ ”قتیل“ کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ کہا گیا یعنی لفظ قتل (مقتول) لا کر بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات آشکارا کر دی کہ مثلہ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ اس کو قتل کر کے پھر اس کے اعضاء کاٹے جائیں ظاہر ہے قتل کسی دشمنی ہی کی بنیاد پر ہو گا کوئی محبت سے تو قتل نہیں کرتا لہذا لفظ قتل نے بتا دیا کہ انسانی مثلہ کے مفہوم میں یہ چیز شامل ہے کہ کسی کو قتل کر کے اس سے اپنی دشمنی نکالنے کے لیے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ انسانی مثلہ کہلاتا ہے اور احادیث میں اسی کی ممانعت آئی ہے۔

جب کہ یہاں مثلہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی کیوں کہ بخوشی اپنا کوئی عضو دینے والا نہ مقتول ہے اور نہ کسی دشمنی کی بناء پر اس کے اعضاء کاٹے جا رہے ہیں نہ اس کی تذلیل ہو رہی ہے بلکہ اس کے برعکس معاملہ ہے وہ کسی سے انتہائی محبت یا عقیدت رکھنے کے باعث

انسانی ہمدردی کے جذبہ کے تحت اپنا کوئی عضو دینے کا اعلان کر کے اپنی عزت و تکریم میں اضافہ کر رہا ہے لہذا ”مثلاً“ کی ممانعت والی احادیث یہاں چسپاں کر کے اس کی حرمت کا قول کرنا قرین انصاف نہیں۔

دلیل رابع

ملنعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا لہذا وہ اپنے جسم کے متعلق وصیت نہیں کر سکتا کیوں کہ وصیت اپنی ملک میں کی جاتی ہے اور اس پر دلیل کے طور پر وہ یہ آیات پیش کرتے ہیں

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَ
أَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ﴾

کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا لہذا اب ان کی جان اللہ کی ملکیت ہو گئی اب اس میں تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں اس کے علاوہ دلیل کے طور پر وہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس میں خود کشی کی ممانعت کی گئی ہے۔
چنانچہ مفتی شفیع صاحب اور علامہ سعیدی صاحب کے علاوہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی اس کی حرمت پر یہی دلیل لاتے ہوئے کہتے ہیں.....

اصل سوال یہ ہے کہ آپ اپنے جسم کے مالک خود کب ہیں.....؟ مذہب ہی نہیں خود قانون بھی آپ کو اپنے جسم کا مالک قرار نہیں دیتا اگر اپنے جسم کے مالک آپ خود ہیں تو پھر آپ کہ خود کشی کی اجازت کیوں حاصل نہیں.....؟ آپ اپنے آپ کو بچ کیوں نہیں سکتے.....؟ اب جس جسم پر جیتے جی آپ کے اختیارات کا یہ عالم ہے اسی جسم کے حصے بخرے کرنے کا آپ اس وقت کیا اختیار رکھتے ہیں جب آپ اسے چھوڑ کر جا چکے ہوتے ہیں۔

اس وقت اگر ایسی کوئی اجازت آپ کو قانون دیتا ہے
تو یہ قانون کا سقم ہے مذہب کا نہیں۔
(سید ابوالاعلیٰ مودودی، اردو مجالس سید مودودی ص ۳۱)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی رو سے صرف ہمارا جسم ہی
نہیں بلکہ ہمارے اموال بھی اللہ نے خرید لیے ہیں اور ان کا بھی وہ مالک ہو گیا ہے بلکہ قرآن
کے ارشاد کے مطابق صرف ہماری جانوں اور مالوں کا ہی نہیں وہ تو کائنات کی ہر شے کا اصل اور
حقیقی مالک ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے.....

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

ترجمہ :- اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور
زمین میں ہے۔

لیکن اس نے یہ چیزیں ہمیں دی ہیں اور ہمیں ان کا مالک بنادیا ہے اور اس میں تصرف
کا ہمیں اختیار بھی دیا ہے اس پر دلیل وہ آیات ہیں جن میں ان چیزوں کی نسبت قرآن میں
ہماری طرف دی گئی ہے مثلاً فرمایا.....

﴿تُخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ﴾

(سورہ توبہ آیت ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے۔

دوسرے مقام پر فرمایا.....

﴿وَلَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ﴾

(سورہ نساء آیت ۲۹)

اور اپنے نفسوں کو قتل مت کرو۔

حتیٰ کہ بعض مقامات پر تو صاف طور سے ”ملکیت“ کی نسبت انسانوں کی طرف دیتے ہوئے فرمایا گیا.....

وَالْمَحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

(سورہ نساء آیت ۲۴)

یعنی تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہیں مگر کافروں کی عورتیں جس کے تم مالک ہو وہ تم پر حرام نہیں۔

ان آیات میں اموال اور انفس جن کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے ان کی نسبت ہماری طرف دیکر حتیٰ کہ کافر عورتوں کی ملکیت کی نسبت ہماری طرف فرما کر یہ بتا دیا کہ بیشک ان سب چیزوں کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کی عطا سے ہم بھی مالک ہیں اور اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی عطا کردہ ملکیت میں خواہ وہ انفس ہوں یا اموال ہم تصرف کا بجا طور پر حق اور اختیار رکھتے ہیں۔

لہذا جو شخص ایثار اور خیر خواہی کی آیات اور احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے انفس اور اموال میں جو خدا نے اس کی ملکیت میں دے دیئے ہیں تصرف کر کے خدا کے بندوں کی زندگیاں بچاتا ہے اور ان کی مشکلیں آسان کرتا ہے وہ یقیناً خدا کی رضا اور خوشنودی کا مستحق ٹھہرے گا۔

مانعین کے خیال کے مطابق اگر انسان سے ہر قسم کی ملکیت اور تصرف کی نفی کر دی جائے تو اجر و ثواب کا تصور ہی ختم ہو جائے گا کیوں کہ جب ”ان اموال“ کے ہم مالک ہی نہیں یہ اموال ہمارے ہیں ہی نہیں تو پھر ان کو صدقہ و خیرات کرنے کا ہمیں کیوں ثواب ملے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ”حلوائی کی دکان اور نانا جی کی فالتحہ“ کوئی اگر حلوائی کی دکان پر جا کر بغیر خریدے اس کی ساری مٹھائی غریاء میں تقسیم کر دے تو اسے ثواب نہیں ملے گا بلکہ عذاب ہو گا کہ اس نے غیر کے ملک میں تصرف کیوں کیا جب کہ ہمیں ”اموال“ میں تصرف کرنے پر ثواب ہوتا ہے، پتہ چلا کہ یہ اموال اور انفس ہماری ملک ہیں اور ان میں تصرف کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے لہذا

عدم ملک سے انفس اور اموال میں عدم تصرف اور اعضاء کی وصیت کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں۔

اسی طرح خودکشی کی حرمت کے لیے عدم ملک کی دلیل لانا بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں خودکشی ایک قتل ہے اور قتل کی حرمت پر جب سیکڑوں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کی حرمت ثابت کرنے کے لیے عدم ملک جیسی لا یعنی اور مہمل دلیل اپنے دل سے گڑھنے کی آخر کیا ضرورت ہے۔

دلیل خامس

مانعین کی ایک دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے....

لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة
والمستوشمة

(جامع ترمذی ابواب الاستیذان جلد ۲ ص ۲۸۶)
یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ نے بال ملانے والی، ملاقات کی خواہش کرنے
والی اور بدن گوونے اور گدوانے والی عورتوں پر
لعنت بھیجی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے جب کسی دوسرے کے بال ملانا اور بدن گدوانا جائز نہیں تو بدن کا ایک پورا عضو قطع کرنا اور دوسرے کے لگانا کب جائز ہوگا....؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی باب یعنی ”باب ما جاء فی الواصلة والمستوصلة“ میں جہاں یہ حدیث ذکر کی ہے وہاں اسی باب میں ایک اور اسی مضمون کی تفصیلی حدیث بھی ذکر کی ہے جس سے اس حدیث کے معنی واضح ہو کر سامنے

آجاتے ہیں، وہ حدیث مبارک یہ ہے۔

ان النبی ﷺ لعن الواشمات والمستوشمات
والمتنمصات مبتغیات للحسن مغیرات خلق
اللہ هذا حدیث حسن صحیح۔

(جامع ترمذی ابواب الاستیذان جلد ۲ ص ۲۸۵)
ترجمہ :- بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم نے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر
لعنت کی ہے اور ان پر بھی جو اپنے چہرہ کے بال کو
چنتی ہیں حسین بننے کے لیے اور اللہ کی خلقت کو
بدلتی ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن
صحیح ہے۔

اس حدیث مبارک میں ”للحسن“ کا لفظ واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ جسم پر تغیر و تبدل
اور کسی دوسرے کے بال لگانا اس وقت منع ہے جب کہ بغیر کسی ضرورت کے صرف زیب و
زینت اور حسن و جمال کے لیے ہو اور وہ احادیث جو اس سلسلہ میں مطلق آئی ہیں ان کو بھی
اسی قید پر محمول کیا جائے گا بالکل اسی طرح جس طرح ایک حدیث مبارک میں ازراہ تکبر کپڑا
لٹکانے کی ممانعت آئی ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک
ہے.....

لا ينظر الله يوم القيامة الى من جر ثوبه

خيلاء۔

(ترمذی، ابواب اللباس جلد ایک ص ۷۶)
کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص پر نظر رحمت
نہیں فرمائے گا جو تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مطلقاً کپڑا نیچے کرنے پر ممانعت اور وعیدیں
آئی ہیں وہاں بھی یہی ”خيلاء“ یعنی تکبر کی شرط ملحوظ ہوگی اور ان احادیث کو بھی اسی پر محمول کیا

جائے گا کہ جو شخص ازراہ تکبر کپڑا لٹکائے گا وہ گنہ گار ہو گا اور اس پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور جہاں تکبر نہیں ہو گا وہاں نہ یہ وعیدیں ہوں گی اور نہ وہ حرام ہو گا۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہاں بھی ایک حدیث میں جو للحسن کی قید ہے وہ دوسری مطلق احادیث میں بھی ملحوظ ہوگی اور اس قسم کی تمام احادیث اور آیات کا مطلب یہ ہو گا کہ صرف حسن اور آرائش کی غرض سے ”یہ تبدیلی اور تغیر“ اور ایک دوسرے کے بال استعمال کرنا ناجائز ہے جب کہ اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں حسن و جمال کے لیے یہ تغیر و تبدل نہیں ہو رہا بلکہ سخت ترین ضرورت اور ایک جان کو بچانے کے لیے یہ عمل کیا جا رہا ہے جس کی ممانعت اس حدیث سے کوئی ثابت نہیں ہوتی۔

دلیل سادس

مفتی محمد شفیع صاحب اس کے حرام ہونے پر ایک اور دلیل بھی ذکر کرتے ہیں وہ لکھتے

ہیں.....

خدا نخواستہ یہ طریق علاج رواج پا گیا تو اس کا ایک نقد نتیجہ تو یہ ہو گا کہ غریب انسان کی آنکھیں اور گردے اور دوسرے اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازار میں بکا کریں گے۔۔۔۔۔ اور خدا نخواستہ یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف اپنی موت مرنے والوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کام کے لیے بہت سے انسانوں کے قتل کا ایک بازار گرم ہو جانا ممکن ہے پورے انسانی معاشرہ کی تباہی کا اعلان ہے۔

(انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مفتی محمد شفیع، ص ۳۲)

جواب

اگر بالفرض یہ خدشات درست بھی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی وجہ سے اس نیک اور جائز کام کو ہی ختم کر دیا جائے یا حرام قرار دے دیا جائے بلکہ ان حرام کاموں کو روکنے

اور ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی جو اس جائز اور نیک کام میں پیدا کیے جا رہے ہیں اس سلسلہ میں فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب شامی نے بڑا پیارا اور جامع اصول بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں.....

ولا تترك لما يحصل عندها من منكرات
و مفاسد كاختلاط الرجال بالنساء و غيرها
لان القربات لا تترك لمثل ذلك بل على
الانسان فعلها و انكار البدع قلت و يويله
مامر من عدم ترك اتباع الجنابة و ان كان
معها نساء نائحات۔

(شامی، کتاب الجنائز، باب زیارت القبور)

زیارت قبور اس لیے نہ چھوڑا جائے گا کہ اس میں غیر شرعی باتیں ہوتی ہیں جیسے مرد اور عورتوں کا اختلاط وغیرہ کیوں کہ اس قسم کی ناجائز باتوں کی وجہ سے مستحبات چھوڑے نہیں جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ وہ ان کاموں کو (زیارت قبور) کرے اور بدعتوں کو روکنے کی کوشش کرے اس کی تائید گزشتہ مسئلہ بھی کرتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ یہ حرام کام ہو رہا ہو کہ توجہ کرنے والی عورتیں ساتھ چل رہی ہوں۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ اعضاء عطیہ کرنے جیسے نیک 'عمدہ' بھلائی اور خیر خواہی کے کام میں اگر کسی قسم کی کوئی حرام اور غلط بات رواج پانے لگے تو اس کی وجہ سے اس عظیم انسانی فلاح کے کام کو ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ اس کو حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اس غلط اور حرام کو روکنے کی کوشش کی جائے گی ورنہ اگر نیک کاموں میں ناجائز

امور کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ نیک اور عمدہ کام ہی حرام ہونے لگیں تو پھر شادی بیاہ بھی حرام ہو جائے گا کیوں کہ اس میں آجکل بیسیوں قسم کی بے ہودہ اور حرام رسمیں رواج پا گئی ہیں جہازوں اور ریلوں اور بسوں کا سفر بھی حرام ہو جائے گا کہ وہاں بھی مردوزن کا اختلاط ہوتا ہے جو حرام ہے، عرس اور اولیاء کے مزارات پر حاضری بھی حرام ہو جائے گی کہ بعض مزارات پر ہر عرس کے دنوں میں دھمال، جوئے اور سٹے جیسے حرام کام ہوتے ہیں حالانکہ علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک عرس، مزارات اولیاء پر حاضری، شادی بیاہ میں شرکت اور جدید ذرائع آمدورفت کے ذریعہ سفر یہ سب امور جائز ہیں، حرام امور کے ان میں آجانے کی وجہ سے یہ جائز چیزیں حرام نہیں ہو جاتیں ہاں البتہ ان حرام امور کو ان میں داخل ہونے سے روکنے کی ضرورت کو شش کی جائے گی۔

دلیل سابع

مفتی محمد شفیع صاحب اس طریقہ علاج کے خلاف ایک ”عقلی دلیل“ لاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں.....

سب مل کر اس کو رواج دینے کی کوشش بھی کر لیں تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں کوئی اندھا نہیں رہے گا یا کوئی بیمار تندرستی سے محروم نہیں رہے گا تجربہ شاہد ہے کہ ان نئی سے نئی ترقیات ہی کے آپریشن لاسوں اور مریض کی قیام گاہوں اور ماہر ڈاکٹروں کے سایوں میں روزانہ ہزاروں مریض دم توڑ کر عدم کی سرحد پار کر لیتے ہیں۔

(انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مفتی محمد شفیع، ص ۳۵)

جواب

مفتی محمد شفیع صاحب جیسے ایک مکتبہ فکر کے مقتدر اور مستند مفتی اور عالم کی طرف سے

جواب

جو نقشہ مولانا مودودی صاحب نے کھینچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلو اور شرائط ان کے مد نظر نہیں رہے کیوں کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس عضو کے لیے وہ آدمی وصیت کر کے جائے گا صرف اس عضو کا لینا جائز ہو گا باقی کسی دوسرے عضو کی طرف کسی ڈاکٹریا سرجن کو اس ارادے سے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہیں ہو گا اور وہ عضو بھی ورثاء کی اجازت کے بعد لیا جاسکے گا ورنہ نہیں، لہذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ایک یا دو عضو جس کی اس نے وصیت کی ہوگی اور ورثاء جس پر راضی ہوں گے وہ عضو لیا جائے گا اس کے علاوہ باقی سارا جسم جوں کاتوں ہو گا اس کے اقرباء جی بھر کے اس کا آخری دیدار بھی کر سکیں گے نماز جنازہ بھی پڑھیں گے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو قبر میں بھی دفن کریں گے۔

انتقال خون

گزشتہ اوراق میں اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر جو مفصل بحث کی گئی اس سے انتقال خون کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ جب ضرورت کے تحت کسی انسان کا عضو لے کر دوسرے کے لگانا جائز ہے تو ایک آدمی کا خون دوسرے آدمی کے چڑھانا بھی جائز ہو گا لیکن اس کے لیے بھی وہی شرائط ہوں گے کہ کسی مریض کی ہلاکت یا تکلیف شدید کا خطرہ ہو اور ماہر معالج کا یہ کہنا ہو کہ اس کے بغیر اس کی صحت کا امکان نہیں تو ایسی صورت میں خون کا چڑھانا جائز ہو گا محض تقویت بدن یا حسن و صحت میں اضافہ کے لیے انتقال خون ناجائز ہے۔

دلائل

اس کی دلیل وہی ہے جو اوپر گزری کہ اگرچہ سیال خون نجس ہے اور ناپاک ہوتا ہے اس کے علاوہ اجزائے انسانی سے نفع حاصل کرنا احترام انسانیت کے منافی ہوتا ہے لہذا ان دونوں وجوہات کی بناء پر خون کا چڑھانا ناجائز اور حرام ہونا چاہیے لیکن قرآن نے ضرورت کے وقت جب سور اور مردار جیسی اشد حرام چیز کا کھانا جائز قرار دے دیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت

دے دی جب کہ سونے کا استعمال مرد کے لیے حرام ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کا استعمال اور اجزائے انسانی سے انتفاع جائز ہو جاتا ہے لہذا انسانی خون سے علاج بھی ضرورت اور حاجت کے وقت جائز ہو جائے گا اس پر مزید دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل فرمایا ہے.....

عن انس قال قدم اناس من عكل او
عربنة فاجتروا المدينة فامرهم النبي ﷺ
بلقاح و ان يشربوا من ابوالها و البانها
فانطلقوا فلما صحوا قتلوا راعي النبي ﷺ
(صحیح بخاری، جلد ایک ص ۳۶)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عکل یا عربیہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ راس نہیں آیا اور وہ بیمار ہو گئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیئیں جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر دیا۔

دیکھئے پیشاب نجس اور حرام چیز ہے لیکن آپ نے بطور علاج انہیں پینے کا حکم دیا ثابت ہوا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت جان بچانے یا شفاء حاصل کرنے کے لیے بھی حرام چیز کا استعمال جائز ہو جاتا ہے لہذا خون اگرچہ حرام ہے لیکن ایسے موقعہ پر اس کو چڑھا کر اس کے ذریعہ علاج کرنا بھی جائز ہو جائے گا چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ اسی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا گیا.....

يجوز للعليل شرب الدم و البول و اكل الميتة

للتداوي اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاء فيه

و لم يجد من المباح ما يقوم مقامه و ان قال
الطبيب يتعجل شفائك فيه وجهان۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص ۱۱۲)

اور بیمار کے لیے خون اور پیشاب کا پینا اور
مردار کا کھانا بطور علاج کے جائز ہے بشرطیکہ کوئی
مسلمان طبیب یہ بتائے کہ اس کی شفاء اسی میں ہے
اور وہ کوئی دوسری مباح چیز نہ پائے جو اس کے قائم
مقام ہو، اور اگر اس کے متبادل کوئی مباح چیز موجود تو
ہو لیکن طبیب یہ کہے کہ اس میں جلد شفاء ہوگی۔
تو اس میں دو رائے ہیں ایک جواز کی دوسری عدم
جواز کی۔

اس کے علاوہ فقہ کے اندر ایک اور جزئیہ بھی ملتا ہے جس سے استعمال خون کا جواز صراحت
کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے.....

ولا باس بان يسعط الرجل بلبن المرأة و يشربه
للدواء

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص ۱۱۲)

اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ بطور علاج آدمی کی
ناک میں عورت کا دودھ ڈال دیا جائے یا اس کو
پلایا جائے۔

معلوم ہوا کہ علاج کی صورت میں اجزائے انسانی سے انتفاع جائز ہے کیوں کہ جس
طرح دودھ کے جزء انسانی ہونے کے باوجود یہاں اس سے علاج اور انتفاع کو جائز قرار دیا جا رہا
ہے اسی طرح خون سے بھی جزء انسانی ہونے کے باوجود انتفاع اور علاج جائز ہوگا۔

شوہر کا خون بیوی کو دینا

اکثر یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ شوہر کا خون بیوی کو اور بیوی کا خون شوہر کو دینے سے نکاح

میں کوئی فرق تو نہیں پڑے گا.....؟ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ شریعت اسلامیہ میں محرمیت کو صرف نسب، رضاعت اور مصاہرت میں منحصر کر دیا ہے، اور رضاعت میں بھی ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہذا شوہر کا خون بیوی کو یا بیوی کا خون شوہر کو چڑھانا جائز ہو گا اس سے ایک دوسرے کے لیے محرمیت ثابت نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کے نکاح پہ اس کا کوئی اثر پڑے گا۔

مانعین کی دلیل

جو حضرات اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز اور انتقال خون اور الکحل ملی ہوئی دواؤں اور دیگر حرام اشیاء سے علاج کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے.....

عن ام سلمة رضي الله عنها قالت قال

رسول الله ﷺ ان الله تعالى لم يجعل شفاء

امتي فيما حرم عليها۔ (شامی، ج ۱ ص ۱۹۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

مصنف کی دیگر مطبوعات کے لیے

دکن الاسلام پبلیکیشنز

آزاد میدان ہیر آباد حیدر آباد سے رابطہ کریں

☆ فون :- 612803 ☆

پیشک اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفاء ان چیزوں میں
نہیں رکھی جو ان پر حرام کر دی گئی ہیں

جب حدیث مبارک سے معلوم ہو گیا کہ حرام اشیاء میں شفاء ہے ہی نہیں تو پھر حرام اشیاء سے
شفاء کی امید پر علاج کب جائز ہوگا.....؟

جواب

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے

ہیں.....

و اجیب بانہ محمول علی حالة الاختیار اما
فی حالة الاضطرار فلا یكون حراماً کالمیئة
للمضطر۔

(عمدة القاری، علامہ بدرالدین عینی، ج ۳ ص ۱۵۵)
اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس
حدیث میں وہ صورت مراد ہے جب آدمی کو حلال اور
حرام دونوں پر اختیار ہو تو اس صورت میں پیشک حرام
کے اندر شفاء نہیں لیکن جب حالت اضطرار ہو کہ
حرام کے علاوہ کوئی اور شفاء کی صورت نہ ہو تو اس
وقت وہ چیز حرام ہی نہیں رہتی لہذا اب اس میں
شفاء بھی ہوگئی جیسے مضطر کو مردار کھانا جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث اس صورت کے لیے ہے جب حلال و حرام دونوں قسم کا

موجود ہوں اور دونوں سے شفاء حاصل ہو سکتی ہو تو اس وقت حرام کے ذریعہ

ہوگا اور اس وقت اس حرام شی میں شفاء نہیں ہوگی لیکن اضطرار کی

ہے کیوں کہ اس وقت وہ حرام چیز مضطر کے لیے حرام نہیں رہتی میت کی

میں شفاء ہوگی اور اس سے حالت اضطرار میں علاج ہو جائے خصوصاً

پوسٹ مارٹم

پوسٹ مارٹم کئی ضرورتوں کی بناء پر کیا جاتا ہے.....

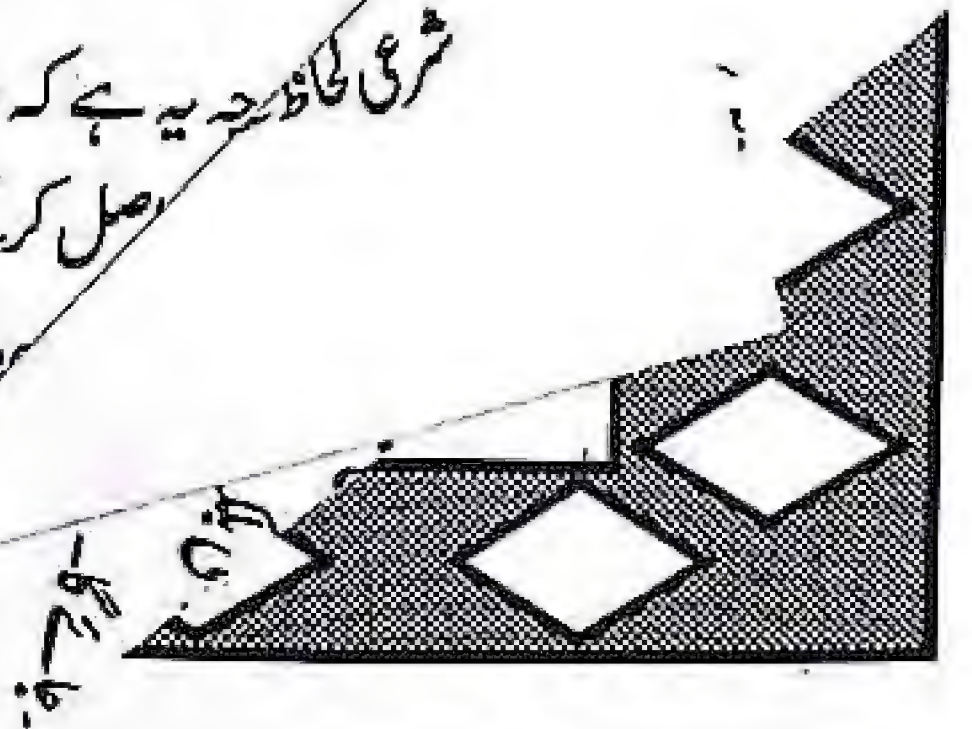
وجہ اولیٰ

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کسی مقدمہ کی تحقیق کے سلسلہ میں کیا جائے اور اس کے ذریعہ کسی بے گناہ کی خلاصی ہو جائے اور اس کی جان بچ جائے ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم کرانا یقیناً جائز ہوگا اور اس کی دلیل وہ ہی فقہی جزیئہ ہوگا جو گزشتہ اوراق میں گزرا کہ کوئی حاملہ مرجائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اس عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے گا، اس سے ثابت ہوا کہ میت کی حرمت اپنی جگہ پر لیکن کسی کی جان بچانے کے لیے کسی کی مشکل آسان کرنے کے لیے میت کی حرمت کا خیال نہیں کیا جائے گا اور پوسٹ مارٹم کر کے کسی ملزم کی خلاصی اور رہائی کو ترجیح دی جائے گی۔

وجہ ثانیہ

دوسری پوسٹ مارٹم کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کسی عضو کے لیے وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد میرا فلاں عضو نکال کر کسی کے لگا دیا جائے اس کی بحث مفصل گزری کہ ایسی صورت میں بھی اس میت کا آپریشن کر کے وہ عضو لینا جائز ہوگا اس پر قرآن..... راقوال فقہاء سے دلائل ہم نے مفصل ذکر کر دیئے۔

شرعی لحاظ سے یہ ہے کہ میڈیکل کالج کے طلباء کو آپریشن وغیرہ کی مشق حاصل کر کے دوسرے زندہ لوگوں کے صحیح آپریشن کر کے سطا کریں اور تکلیف دہ امراض سے ان کو نجات دلا کر (Dis) کہا جاتا ہے، میری رائے یہ ہے کہ



ہمانعین کی رائے

ایسی صورت میں جب کہ پوسٹ مارٹم کے ذریعہ کسی بے قصور کی جان بچانے کا مسئلہ ہو تو پوسٹ مارٹم کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سرجری کی مشق کے لیے جانوروں اور غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں اور غیر مسلم اموات کا حصول اس قدر دشوار نہیں ہوتا جس کی بناء پر مسلمان میت کی چیرپھاڑ کر کے اس کی بے حرمتی کی جائے خصوصاً

اس صورت میں جب کہ پلاسٹک موڈل سے بھی
تعلیم شروع کی جا چکی ہے۔ (شرح صحیح مسلم)

جوابات

حیرت ہے جہاں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ صرف ایک جان بچ رہی ہے وہاں مولانا سعیدی صاحب پوسٹ مارٹم کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دے رہے ہیں اور جہاں ایک ڈاکٹر کو آپریشن کا ماہر بنا کر سیکڑوں ہزاروں جانیں بچائی جا رہی ہیں وہاں پوسٹ مارٹم کو ناجائز فرما رہے ہیں.....؟ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ گمان ہے کہ تیسری صورت میں طلباء کو انسانی جسم کی پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہاں پلاسٹک ماڈل اور حیوانی جسموں کی صورت میں اس کا متبادل موجود ہے حالانکہ میں نے ڈاکٹروں اور اس فن کے ماہروں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پلاسٹک ماڈل میں تو آپریشن کے تجربہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں حیوانی اجسام میں آپریشن ضرور ہوتا ہے لیکن حیوانی اجسام انسانی اجسام کا ہرگز متبادل نہیں ہو سکتے ان دونوں قسم کے اجسام 'ان کے عوارضات' ان کی خصوصیات 'اس کا طرز اور انداز آپریشن' ان کا طرز علاج الغرض سب چیزوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے صرف جانوروں پر مشق کر کے آدمی کبھی بھی کسی انسان کے آپریشن میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا اگر ایسا ہوتا تو ہر "وٹینیوی ڈاکٹر" اچھا سرجن بھی ہوتا ہر گائے بھینس کا معالج ہمارا اور آپ کا بھی اچھا معالج ہوتا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ محض جانوروں کے علاج کی مہارت حاصل کر کے کسی انسان کے علاج اور اس کے آپریشن کی مہارت حاصل کرنے کا نظریہ طبی نقطہ نظر سے بالکل لالینی اور جدید سرجری سے ناواقفیت پر مبنی ہے لہذا اثبات ہوا طلباء کے لیے اس قسم کا پوسٹ مارٹم آپریشن کا تجربہ حاصل کرنے اور سیکڑوں جانیں بچانے کے لیے نہایت ضروری ہے اور اس کا کوئی متبادل بھی نہیں ہے لہذا اس اجتماعی اور بڑے فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک تحریم میت کے انفرادی فائدہ کو ترک کر دیں گے اور سیکڑوں جانوں کو بچانے اور ان کو صحت یاب کرنے کی خاطر اس پوسٹ مارٹم کی بھی اجازت شرعی طور پر دے دی جائے گی۔

علامہ سعیدی صاحب کا یہ فرمانا کہ "اس قسم کے پوسٹ مارٹم کے لیے غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے" تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو تکریم آدمیت کے لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں چنانچہ اس پر فقہ کا یہ جزئیہ شاہد ہے.....

وشعر الانسان لكرامة الادمي ولو كان
كافراً۔

”اور انسان کے بالوں کی بیچ ناجائز ہے بوجہ آدمی کی
عزت اور کرامت کے اگرچہ کافر ہی ہو“

معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ میں آدمی خواہ مسلمان ہو یا کافر ”تکریم آدمیت“ دونوں
میں ملحوظ ہوگی اور اس عزت کے باعث دونوں کے بالوں کی بیچ ناجائز ہے، اسی طرح ایک اور
جزئیہ ملاحظہ ہو.....

و ان لم یجد الا ادمیا محقون الدم لم یبح له
قتله اجماعاً و لا ائتلاف عضو مہ مسلما
کان او کافراً لانه مثله فلا یجوز ان یبقی
نفسه باتلافه و هذا لا خلاف فیہ۔

اور اگر مضطر نہ پائے مگر ایسا آدمی جس کا خون
محفوظ ہو شرعاً (یعنی مسلمان یا ذمی کافر) تو اس مضطر
کے لیے ایسے آدمی کا قتل جائز نہیں ہوگا خواہ وہ
مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ اس آدمی کی زندگی مضطر کی
زندگی کی مثل ہے پس اس کو جائز نہیں کہ اس کو
تلف کر کے اپنی زندگی بچائے اس مسئلہ میں کوئی
اختلاف نہیں۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آدمی مسلمان ہو یا کافر اسلام کی نظر میں دونوں کی
جان قیمتی ہے، انسانی تکریم و حرمت کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں جو مسلمان کی جان کا حکم
ہوگا وہ ہی کافر کی جان کا حکم ہوگا اگر مسلمان کے جسم کی ایذا اور بے حرمتی حرام ہے تو اسلام

کی نظر میں کافر کے جسم کی بھی ایذا اور بے حرمتی حرام ہے، لہذا عدم القاتل بالفصل کی بناء پر جب آپ نے غیر مسلم کی اموات کے پوسٹ مارٹم کی طلباء کو اجازت دے دی تو مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کی اجازت خود بخود ثابت ہو جائے گی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں غیر مسلم اقلیت میں ہیں اول تو وہاں غیر مسلم اموات ہی بہت کم تعداد میں ہوں گی ان میں سے بھی اہم اور بااثر شخصیات کو ان کے ورثاء طلباء کے لیے تعیشہ مشق بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے اس طرح سال میں اگر اکا دکا کوئی جسم تجربہ کے لیے مل بھی گیا تو کیا وہ تمام ملک کے تمام میڈیکل کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لاکھوں طلباء کے لیے کافی ہوگا.....؟ کیا پھر ایسے مسلم ممالک میں سرجری کے یہ شعبے قائم رہ سکیں گے.....؟ کیا ایسے ممالک میں لوگ اچھے سرجنوں سے محروم نہیں ہو جائیں گے.....؟ اور کیا وہاں کے لوگ ماہر سرجن کے نہ ہونے کے باعث اپنے پیچیدہ امراض میں بغیر آپریشن کے ٹپ ٹپ کر جائیں نہیں دیں گے.....؟ اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں گے نہیں.....؟

لہذا ماننا پڑے گا کہ ”غیر مسلم اموات“ کی قید لگانا درست نہیں اس عظیم فائدہ کی خاطر مسلم اموات کا بھی پوسٹ مارٹم درست ہوگا۔

روزہ میں انجیکشن

یہ بھی ایک جدید نوعیت کا طبی اور شرعی مسئلہ ہے کہ آیا روزہ کی حالت میں انجیکشن لگایا جاسکتا ہے یا نہیں.....؟ یا گلوکوز چڑھایا جاسکتا ہے یا نہیں.....؟ انجیکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں.....؟ اس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ انجیکشن خواہ گوشت میں لگایا جائے یا رگ میں لگایا جائے بہر حال اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دلیل اول

اس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں مطلقاً کسی بھی چیز کا بدن میں جانا روزہ کو نہیں

توڑتا بلکہ روزہ ٹوٹنے کے لیے یہ شرط ہے کہ ”منفذ یعنی کسی راستہ سے کوئی چیز معدہ یا دماغ تک پہنچائی جائے تب روزہ ٹوٹتا ہے“ لہذا اگر کوئی شے بدن کے اندر تو گئی لیکن معدہ یا دماغ کے اندر نہیں گئی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا معدہ کے اندر بھی چلی گئی لیکن کسی راستہ سے نہیں گئی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔۔۔۔۔ دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے یا دوا ڈالنے سے اور سر یا بدن پر تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو کیونکہ حکماء کے نزدیک آنکھ اور معدہ کے درمیان کوئی ”منفذ“ یعنی راستہ نہیں ہے یہ اثر مسامات کے ذریعہ حلق اور حلق سے معدہ تک پہنچا ہے لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا چنانچہ شامی میں صاف فرمایا گیا.....

او ادهن او اکتحل او احتجم و ان
وجد طعمه في حلقه قال في النهر لان
الموجود في حلقه اثر داخل من المسام
الذي هو نخل البدن والمفطر انما هو الداخل
من المنافذ للاتفاق علي ان من اغتسل في
ماء فوجد برده في باطنه انه لا يفطر۔

(شامی، ابن عابدین ج ۲ ص ۳۹۵)

یعنی علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ سرمہ اور تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حلق میں جو اثر محسوس ہوا ہے یہ مسامات کے ذریعہ آیا ہے جب کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز بذریعہ راستہ داخل ہو پھر اس پر دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو کوئی شخص روزہ میں غسل کرے اور پانی کی ٹھنڈک اپنے بدن کے اندر محسوس کرے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ یہ پانی کا اثر مسامات کے ذریعہ اندر گیا ہے منفذ اور راستہ کے ذریعہ نہیں گیا۔۔۔۔۔ لہذا ثابت ہوا کہ انجیکشن کے ذریعہ جو دوا اندر جاتی ہے اول تو وہ معدہ میں نہیں پہنچتی اور اگر معدہ میں پہنچتی

بھی ہو تب بھی چونکہ کسی راستہ کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچ رہی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

دلیل ثانی

اسی طرح کان ٹاگ یا مقعد میں دوا وغیرہ ڈالنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیوں کہ ان کے اور معدہ کے درمیان ایسے راستے موجود ہیں جن سے دوا وغیرہ سیدھی معدہ تک پہنچ جاتی ہے، ثابت ہوا کہ روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جب منافذ یعنی راستوں کے ذریعہ کوئی چیز معدہ تک پہنچے جب کہ انجیکشن میں ایسی صورت نہیں ہوتی لہذا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

دلیل ثالث

یہ بھی شرعی مسئلہ ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جب کہ مرد کے عضو تناسل میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ عورت کے جسم میں ایک منفذ یعنی راستہ معدہ تک موجود ہے جس سے اس دوا وغیرہ کے معدہ تک پہنچنے کا امکان ہے جب کہ مرد کے جسم میں براہ راست کوئی راستہ معدہ تک موجود نہیں ہے بلکہ مثانہ کے راستہ سے مسامات کے ذریعہ معدہ تک راستہ ہے لہذا اس کا اثر اگر معدہ تک پہنچا بھی تو اس سے روزہ اس لیے نہیں ٹوٹے گا کہ وہ دوا وغیرہ معدہ تک کسی راستہ سے نہیں پہنچی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی ہے۔

دلیل رابع

اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اگر کوئی دوا وغیرہ مثانہ تک پہنچ جائے تو ان کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مثانہ اور معدہ کے درمیان کوئی منفذ اور راستہ نہیں ہے جب کہ امام ابو یوسف کے

نزدیک ان کے درمیان منفذ اور راستہ موجود ہے لہذا جو دوا مثانہ میں ہوگی وہ امام اعظم کے نزدیک اگرچہ اس کا اثر مسامات کے ذریعہ معدہ تک ضرور پہنچے گا کیوں کہ جب معدہ سے مسامات کے ذریعہ مثانہ میں پیشاب آسکتا ہے تو مثانہ سے بھی معدہ میں ان ہی مسامات کے ذریعہ دوا وغیرہ کا اثر بھی جاسکتا ہے لیکن چوں کہ کسی منفذ اور راستہ کے ذریعہ وہ اثر نہیں جا رہا لہذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چونکہ مثانہ اور معدہ کے درمیان ایک راستہ موجود ہے لہذا اس راستہ سے دوا معدہ تک پہنچ جائے گی لہذا روزہ ٹوٹ جائے گا چنانچہ ثابت ہوا کہ انجیکشن کے ذریعہ جو دوا یا گلوکوز وغیرہ بدن میں پہنچایا جاتا ہے وہ چونکہ کسی راستہ کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچتا اس لیے مفسد صوم نہیں ہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو.....

فكانه وقع عند ابي يوسف ان بينه وبين
الجوف منفذا ولهذا يخرج منه البول ووقع
عند ابي حنيفة ان المثانة بينهما حائل والبول
يترشح منه و هذا ليس من باب الفقه۔

دلیل خامس

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الصنائع میں اسی اصول کو بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ تحریر فرما کے اس مسئلہ کو خوب حل فرمایا آپ فرماتے ہیں.....

وما وصل الي الجوف او الي الدماغ من
المخارق الاصلية كالانف والاذن والدبر بان
استعط او احتقن او اقطر في اذنه فوصل الي
الجوف او الي الدماغ فسد صومه — الي
— و اما ما وصل الي الجوف او الي

الدماغ من غير مخارق الاصلية بان داوى
الجائفة والامة فان داواها بدواء يابس لا
يفسد لانه لم يصل الى الجوف ولا الى
الدماغ ولو علم انه وصل يفسد كما قول
ابى حنيفة۔

(بدائع ج ۲، ص ۹۳)

یعنی ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شی خواہ کسی اصلی راستہ سے یا کسی مصنوعی
راستہ سے معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا جیسے ناک کان مقعد وغیرہ کہ یہ اصلی
راستے اور خلائیں ہیں ان میں کوئی چیز ڈالی جائے گی تو وہ معدہ تک پہنچے گی لہذا اس سے بھی
روزہ ٹوٹ جائے گا اور ایک غیر اصلی راستہ ہے مثلاً سر میں یا معدہ میں کوئی بہت گہرا زخم ہو گیا
اور اتنا بڑا سوراخ اور مصنوعی راستہ بن گیا کہ اگر کوئی دوا ڈالیں تو معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو
اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، ان عادی یا غیر عادی راستوں کے علاوہ مسامات کے ذریعہ اگر
کوئی دوا وغیرہ معدہ تک پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے مذکورہ بالا دونوں زخموں کے علاوہ کہیں
اور کوئی زخم ہے تو اگر اس میں دوا ڈالنے سے بھی وہ دوا مسامات یا رگوں کے ذریعہ معدہ تک
پہنچ جائے گی لیکن چونکہ کسی راستہ اور خلاء کے ذریعہ براہ راست معدہ تک نہیں پہنچ رہی
مسامات کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

میرے والد گرامی اور مرشد نامی مفتی اعظم پاکستان حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری
رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے روزہ کے متعلق بڑا جامع ضابطہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا.....

”دماغ اور پیٹ میں کوئی شی خواہ عادی راہوں
مثلاً کان ناک پاخانہ عورت کی شرمگاہ کی جگہ سے
داخل ہو یا کوئی غیر عادی راہ کھل گئی ہو مثلاً پیٹ کا یا
دماغ کا زخم ہو اس راہ سے داخل ہو بس اگر یہ شی
مصلح بدن ہے تو خواہ مثل حقنہ وغیرہ کے خود روزہ دار

نے اپنے فعل سے اندر داخل کیا ہو یا کسی اور نے
 بہر صورت روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر اندر پہنچنے
 والی چیز غیر مصلح بدن ہے تو خود روزہ دار کے فعل
 سے وہ چیز اندر پہنچی ہے تو روزہ جاتا رہے گا ورنہ
 نہیں مثل تیر اور چھڑے وغیرہ سے کہ اگر کسی نے
 ایسا مارا کہ پیٹ میں غائب ہو گیا تو روزہ نہیں گیا اور
 خود ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔۔۔۔۔ اگر کسی راہ
 سے تو بدن یا دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچی مگر مسامات
 کے ذریعہ مثلاً تیل کا اثر یا پانی کی ٹھنڈک اندر پہنچی تو
 اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ اگر سر
 یا دوا آنکھ میں ڈالی یا مرد نے اپنے ذکر کے سوراخ
 میں تیل ڈالا تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا
 اگرچہ حلق میں مزا دوا کا محسوس ہو کیوں کہ یہ اثر
 مسامات کے ذریعہ پہنچا، نیز مثانہ سے جو چیز اندر جاتی
 ہے وہ بھی مسامات سے مترشح ہو کر جاتی ہے لہذا
 یہاں بھی روزہ فاسد نہیں ہوا۔۔۔۔۔ انجیکشن
 سے براہ راست معدہ یا دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی
 لہذا مفسد صوم نہیں یہ تو فتویٰ ہے اور تقویٰ یہ ہے
 کہ پرہیز کرو تاکہ روزہ کا مقصد فوت نہ
 ہو۔۔۔۔۔

(رکن دین حصہ کتاب الصیام، مفتی محمد محمود الوری
 ص ۷۳/۷۵)

الکحل والی دوائیں

الکحل، اسپرٹ، مستھول وغیرہ کے متعلق میرے جدا امجد (نانا) برصغیر پاک و ہند کے

مفتی اعظم حضرت قبلہ شاہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آج سے تقریباً ساٹھ ستر سال قبل بڑی نفیس تحقیق فرما کے جامع مسجد فتح پوری دہلی سے ایک فتویٰ جاری فرمایا تھا جو آج بھی ہمارے لیے بہترین مینارہ نور ہے اور الکحل و اسپرٹ وغیرہ جن کا اس زمانہ میں اس قدر کثرت سے استعمال ہو گیا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہو گیا ہے اس کا بہترین حل پیش فرمایا ہے ذرا غور فرمائیے کہ کوئی روغن ہو، کوئی انگریزی دوا ہو، کوئی روشنائی ہو، کوئی پرفیوم یا عطر ہو، کپڑوں کے رنگ ہوں یا ڈیٹول اور فٹائل جیسے گھر میں روزمرہ صفائی اور ستھرائی کے لیے استعمال میں آنے والی چیزیں ہوں، گلے کو صاف کرنے والی گولیاں ہوں یا نزلہ اور زکام جیسے امراض کے لیے معمولی سی دوائیں ہوں الغرض الکحل اسپرٹ وغیرہ ہر جگہ آپ کو نظر آئے گی ایسی کثرت استعمال چیز کا حضرت قبلہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑا بہترین حل پیش فرما کے مسلمانوں کے لیے بڑی آسانی اور سہولت پیدا فرمادی ہے۔

آپ کی تحقیق کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ شراب کی بہت سی اقسام ہیں لیکن جو بالاجماع حرام ہے اور جس شراب کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اس شراب کو شریعت میں ”خمر“ کہتے ہیں اور خمر کی تعریف یہ ہے کہ.....

الخمر وہی النبی من ماء العنب اذا غلی
واشتد وقذف بالزبد و حرم قلیلها و کثیرها
لعینہا وہی نجاسة مغلظة کالبول و حرم
الانتفاع بها ولا یجوز بیعہا ولا یجوز بها
التداوی _ انتہا ملقطاً۔

یعنی خمر اس کے شیرہ انگور خالص کا نام ہے جو جوش مار کر نشہ لے آیا ہو، پس یہ وہ شراب ہے جو قطعاً حرام ہے اور یہ نجاست غلیظہ ہے یہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس کے ایک قطرہ کا بھی نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع و شراء جائز ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز ہے، کسی دوا میں بھی اس کو سوائے اضطرار کے استعمال نہیں کیا جاسکتا، اس کے علاوہ جو دوسری شرابیں ہیں ان کے حکم مختلف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے.....

بازق — شیرہ انگور کو پکا کر اگر شراب بنائی جائے اور شیرہ پک کر ٹلٹ سے زائد رہے اور پھر

جوش مار کر نشہ لے آئے تو ایسی شراب کو بازق کہتے ہیں۔

منصف۔۔۔ اور اگر جل کر نصف رہ جائے تو ایسی شراب کو منصف کہتے ہیں۔

نقیع زہیب۔۔۔ اگر پانی میں منقہ بھگوئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو اس کو نقیع زہیب کہتے ہیں۔

سکر۔۔۔ اگر پانی میں چھوڑے بھگو دیئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو اس کو سکر کہتے ہیں۔

ان چاروں شرابوں کا حکم یہ ہے کہ یہ قلیل تعداد میں ہو یا کثیر تعداد میں ہر حال میں حرام ہے البتہ ان کی نجاست کے بارے میں اختلاف ہے بعض روایات سے اس کا نجاست غلیظ ہونا ثابت ہوتا ہے اور بعض سے نجاست خفیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح ان کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر تھوڑا سا جوش دے لیا جائے تو دوا وغیرہ کے لیے اس مقدار تک ان کا پینا حلال ہے جس میں یہ نشہ پیدا نہ کرے چنانچہ در مختار میں ہے.....

نبیذ التمر والزہیب ان طبخ ادنیٰ طبخہ یحل
شربہ وان اشتد وهذا اذا شرب منه بلا لہو
وطرب فلو شرب للہو و طرب فقلیلہ و
کثیرہ حرام۔

کھجور اور منقہ کی شراب کو اگر تھوڑا سا پکا لیا جائے تو اس کا پینا حلال ہے اگرچہ وہ گاڑھا ہو جائے اور حلت اس صورت میں ہے جب کہ وہ اس کو لہو لعب اور محض عیش و عشرت کے لیے نہ پیئے ورنہ اس وقت اس کا زیادہ اور تھوڑا دونوں طرح حرام ہے۔

ان پانچ شرابوں کے علاوہ شہد انجیر گیہوں جو گنا چھندر الغرض کسی بھی چیز یا فارمولے سے جو شراب بنائی جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو کسی غرض صالح یعنی دوا وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس مقدار میں جس میں وہ نشہ نہ لائے اس کا استعمال جائز ہوگا چنانچہ

ہدایہ عالمگیری اور در مختار میں ہے.....

نبیذ العسل والتین والبر والشعیر والذرة
یحل سواء طبخ او لا بلا هو وطرب۔

ترجمہ = شہد، انجیر، گیہوں، جو اور مکئی کی شراب
حلال ہے خواہ اس کو پکایا جائے یا نہیں بشرطیکہ کھیل
کوہ اور عیش و عشرت کے لیے نہ ہو۔

ان کی یہ حلت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق ہے جب کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی ایک
صحیح روایت مذہب شیخین کے موافق موجود ہے کما صرح بہائی العالمگیریہ و
فتح القلید و غیرہما البتہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ
ان شرابوں کی قلیل اور کثیر تعداد دونوں حرام ہیں اور چونکہ فاسق و فاجر لوگوں نے اس اجازت
سے فائدہ اٹھا کر اس کا استعمال کثرت سے شروع کر دیا تھا اور اس سے ان کا مقصد سکر اور نشہ
حاصل کرنا تھا اس لیے علماء نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر فتویٰ دے دیا کہ ان
کا استعمال قلیل ہو یا کثیر سب حرام ہے، چنانچہ عینی میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا
گیا.....

الفتویٰ فی زماننا بقول محمد رحمہ اللہ

تعالیٰ لغلبة الفساد۔

ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے بوجہ
غلبہ فساد کے۔

”لغلبة الفساد“ کی علت سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس ممانعت کی وجہ ”فسق و
فجور“ کا سد باب کرنا مقصود ہے کہ لوگ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر نشہ کے لیے عام طور پر
شراب پینا نہ شروع کر دیں لہذا جہاں یہ علت نہ ہو اور واقعی کوئی ضرورت ہو مثلاً دوا وغیرہ کے
لیے وہاں یقیناً اس کا اتنی قلیل مقدار میں استعمال کہ سکر اور نشہ پیدا نہ کرے یقیناً جائز ہو گا کہ

اس صورت میں اس کی علت پر امام اعظم، امام ابو یوسف اور ایک اصح روایت کے مطابق امام محمد تینوں متفق ہیں۔

اس تمہید کے بعد آئے اب دیکھتے ہیں کہ الکحل یا مستہل وغیرہ ملی ہوئی دواؤں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے.....؟

میں نے آج کے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹروں اور انگریزی دوا ساز کمپنیوں کے مالکان سے جب الکحل وغیرہ کے متعلق تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ الکحل عام طور پر گنے اور چتندر وغیرہ سے بنائی جاتی ہے یا مصنوعی طریقہ سے دوفار مولوں کو ملا کر بنائی جاتی ہے، لہذا اس کا حکم وہ ہی ہوگا جو چتندر وغیرہ کی شرابوں کا حکم ابھی تفصیل سے گزرا کہ بطور دوا اتنی مقدار میں اس کا استعمال جائز ہوگا کہ جس میں یہ نشہ نہ لائے جب کہ عام طور پر انگریزی دوا میں اتنی ہی مقدار میں ڈالی جاتی ہے جب کہ دوا کی خوراک بھی ایک یا دو چمچہ ہوتی ہے جن سے سکر پیدا نہیں ہوتا لہذا اس کا بطور دوا استعمال جائز ہوگا۔

اور اگر بالفرض الکحل انگور کھجور منقا وغیرہ کے شیرہ سے بھی بنتی ہو تب بھی چونکہ اس کو جوش دے لیا جاتا ہے لہذا بطور دوا اس کا قلیل استعمال بھی جائز ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں گزری۔

حضرت مفتی اعظم شاہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس تحقیق کو اپنے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں.....

”لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا ہے یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جن پر باذن یا منصف یا نفع زبیب و تمر سے بنائی گئی ہو اس لیے کہ

اس میں جوش دے دیا گیا ہے لہذا عامہ علماء کے
 نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں ہے کما صرح
 من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے
 بنائی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب
 سے بنی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کون سی شراب
 سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے

لقوله عليه السلام اذا كان احدكم في
 الصلوة فوجد حركة في دبره احدث او لم
 يحدث فاشكل فلا ينصرف حتى يسمع
 صوتا او يجد ريحا رواه ابوداؤد وقال الفقهاء
 ان اليقين لا يزول بالشك والاصل في
 الاشياء الحل والطهارة۔

(فتاویٰ مظہری، مرتب ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۲۹۰)



